# فہرستِ مضامین

## بصائر وعبر


| | | |
|---|---|---|
| علماء وطلبہ اور عوام کی شہادتیں کب تک ؟ | ۳ | |
| جامعہ میں کراچی بھر کے علماء کرام کا اہم اجلاس! | ۸ | محمد اعجاز مصطفیٰ |


## مقالات ومضامین


| | | |
|---|---|---|
| قرآن مجید کیا ہے ؟ (۳) | ۱۱ | حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ |
| رئیس جامعہ کا اہم خطاب ! | ۱۷ | حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر |
| قرآن کریم کی تلاوت کے آداب (آخری قسط) | ۲۳ | مولانا غلام مصطفیٰ، فاضل جامعہ |
| غامدی صاحب کی دین فہمی اوراُن کے خودساختہ اُصول ایک نظر میں | ۲۷ | جناب سید خالد جامعی، جامعہ کراچی |
| ایمان ! حقیقت ونوعیت | ۴۱ | پروفیسر مولانا سید باچا آغا، کوئٹہ |
| مُداوا......!! | ۴۴ | جناب احمد معاویہ اشرفی صاحب |


## یادِ رفتگاں


| | | |
|---|---|---|
| منارۂ علم وکمال | ۴۷ | حضرت مولانا محمد مسعود اَزہر |
| مقبرۃ الاولیاء میں مدفون شہید | ۴۹ | مولانا زبیر احمد صدیقی، شجاع آباد |
| رفتید، ولیکن نہ از دلِ ما | ۵۲ | مفتی شعیب عالَم، مفتی دارالافتاء جامعہ |
| مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہ کو صدمہ | ۶۰ | محمد اعجاز مصطفیٰ |


## دار الافتاء


| | | |
|---|---|---|
| گٹر کے فلٹر شدہ (صاف کئے گئے) پانی کا حکم ! | ۶۱ | مولوی محمد اسحاق قریشی |


## نقد ونظر


| | | |
|---|---|---|
| | ۶۴ | ادارہ |


نقد ونظر

# علماء وطلبہ اور عوام کی شہادتیں کب تک؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ملکِ پاکستان کے طول وعرض اور بیرونی ممالک میں یہ غمناک، اندوہناک اور وحشتناک خبر بڑے دُکھ، درد اور کرب والم سے سنی جاچکی ہے کہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے ذمہ دار اور مسؤل اور استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ، ان کے نائب حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور ان دونوں حضرات کو لے جانے والے طالب علم حسان علی شاہؒ کو ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۳۱رجنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات، تقریباً ساڑھے بارہ بجے کراچی کی معروف شاہراہ' شاہراہِ فیصل پر نرسری پل کے قریب دن دیہاڑے دہشت گردوں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا۔إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون،إن للہ ماأخذ ولہ ماأعطی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمی.

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے علماء کرام کو شہید کرنے کا یہ پہلا واقعہ نہیں، بلکہ اس سے پہلے تواتر کے ساتھ کئی شہادتوں کے واقعات رونما ہوچکے ہیں۔ پہلا واقعہ اس وقت ہوا جب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر اساتذہ کی معیت میں جامعہ کی ایک شاخ سے واپس آرہے تھے کہ بزنس ریکارڈر روڈ پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کرکے جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، جامعہ کے ناظم اور استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ کو شہید کیا گیا اور اس حادثہ میں دو اساتذہ زخمی بھی ہوئے۔

اس کے بعد ۱۳رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸رمئی ۲۰۰۰ء صبح دس بجے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، مرشد العلماء، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد

یوسف لدھیانویؒ کو ڈرائیور الحاج عبدالرحمٰنؒ سمیت فیڈرل بی ایریا میں فائرنگ کر کے شہید کیا گیا۔

اس کے بعد ۳۰رمئی ۲۰۰۴ء بروز اتوار جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث، شعبہ تخصص فی الفقہ کے نگران ومشرف حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئیؒ کو گھر سے جامعہ علوم اسلامیہ کی طرف جاتے ہوئے فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔اس کے بعد جامعہ کے فاضل، ہمدرد، اور عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت شوریٰ کے رکن حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ اور ان کے ساتھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے مبلغ حضرت مولانا نذیر احمد تونسویؒ کو شہید کیا گیا۔

اس کے بعد ۲۵ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ''ماہنامہ بینات'' کے مدیر اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے امیر حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، ان کے بیٹے حافظ محمد حذیفہؒ، ان کے خادم حضرت مولانا فخر الزمانؒ اور ڈرائیور بھائی عبدالرحمٰن سری لنکنؒ کو اس وقت بے دردی سے شہید کیا گیا، جب آپ مسجد خاتم النبیین سے مجلس ذکر سے فارغ ہو کر واپس گھر تشریف لا رہے تھے۔

اس کے علاوہ جامعہ کی ملیر شاخ کے ہر دل عزیز استاذ حضرت مولانا سعید احمد اخوندؒ کو شہید کیا گیا۔اسی طرح جامعہ کی شاخ ''گلشن عمرؓ'' کے استاذ حضرت مولانا انعام اللہ صاحبؒ کو شہید کیا گیا۔اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حضرت مولانا ارشاد اللہ عباسی صاحبؒ کو صبح کی نماز پڑھانے کے لئے جاتے ہوئے دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر تقریباً جامعہ کے ۱۱رطلبہ کو شہید کیا گیا۔

پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص علماً، طلبہ، مدارس اور عوام الناس سب دہشت گردوں کے نشانے پر ہیں۔ ملک کے وزیر داخلہ نے دو روز قبل یہ بیان دیا کہ فروری کے آغاز میں سندھ کے دارالحکومت کراچی میں دہشت گردی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو جائے گا۔انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کراچی میں طالبان دہشت گردی نہیں کر رہے، بلکہ یہ سرحد پار بیٹھے دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے، جس میں مقامی لوگوں کو بھی استعمال کیا جائے گا۔ان کے بیان کی بازگشت ابھی کانوں میں ہی تھی کہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قائم کردہ درس گاہ کے دو اساتذہ کرام کو شہید کر دیا گیا۔

کراچی میں جاری قتل وغارت پر پورا ملک افسردہ اور غمگین ہے، مگر سنگ دل اور بے حس حکمران ٹَس سے مَس نہیں ہو رہے۔ دن دَہاڑے قتل ہوتے ہیں، لوگ اغوا ہوتے ہیں، ٹارگٹ کلنگ ہوتی ہے، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حکمرانوں کو صرف اپنی جانیں اور مال عزیز ہیں، عوام کو وہ بھیڑ بکریاں خیال کرتے ہیں۔

ان سب شہادتوں اور صدمات کے سہنے کے باوجود صبر کے پہاڑ جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم و حفظہم اللہ نے حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑیؒ کے جنازہ کے موقع پر فرمایا:

''ہم پر امن لوگ ہیں، اس عظیم صدمے کے موقع پر تمام ساتھی سیرتِ نبوی کی روشنی میں صبر سے کام لیں۔ ہم ملک عزیز میں قتل و غارت گری اور فتنہ وفساد بر پا نہیں کرنا چاہتے۔ مگر اعدائے اسلام سن لیں کہ یہ اللہ کا دین ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ تم خود مٹ جاؤ گے، مگر یہ دین قیامت تک باقی رہے گا''۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی تلقین ہی تھی کہ اتنے بڑے سانحے اور حادثے کے باوجود کسی بس کو پتھر نہیں لگا، کسی دکان کا شیشہ نہیں ٹوٹا اور نہ ہی ملکی املاک کو کوئی نقصان پہنچایا گیا۔

اس طرف اتنے صبر کا مظاہرہ اور دوسری طرف حکومتی بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ اتنے دن گزرنے کے باوجود ان شہداء کے قاتلوں کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگایا گیا اور نہ ہی کسی قسم کی مناسب پیش رفت سے جامعہ کے ذمہ داران کو آگاہ کیا گیا۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ حکومت کی اس سرد مہری اور بے حسی کے بارہ میں ملک کی دینی، مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے اکابرین، ذمہ داران، سرپرست اور عوامی نمائندے کیا کہتے ہیں:

''اسلام آباد، لاہور، کراچی (نیوز رپورٹر+خبر ایجنسیاں) وفاق المدارس نے مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفقاء کی شہادت کو قومی سانحہ قرار دے دیا۔ مختلف سیاسی و مذہبی رہنماؤں کا اظہار افسوس، قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کر دیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوار الحق نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء مفتی عبدالمجید اور ان کے رفقاء کی شہادت قومی سانحہ ہے، اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے کراچی میں علماء کرام کی مسلسل شہادتوں پر حکومتی بے حسی کو افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ جب تک حکومت کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری کی سنجیدہ کوششیں اور علماء کی مظلومانہ شہادت کی آزادانہ اور منصفانہ تحقیقات نہیں کی جاتیں، اس وقت تک قومی اور صوبائی حکومتیں ان علماء وطلبہ کے قتل کی ذمہ دار ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر مولانا

فضل الرحمٰن نے مفتی عبدالمجید دین پوری اور مولانا مفتی صالح محمد، حافظ حسان اور دیگر افراد کے قتل کو بدترین دہشت گردی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت صرف بیانات نہ دے، بلکہ قاتلوں کو بے نقاب کرے اور انہیں کیفرکردار تک پہنچائے۔ دریں اثناء جے یو آئی کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری اور مرکزی ترجمان مولانا محمد امجد خان اور قاری محمد عثمان، مولانا محمد غیاث، محمد اسلم غوری نے بھی واقعہ کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو مستعفی ہوجانا چاہئے۔ مسلم لیگ (ن) کے صدر نواز شریف نے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے علماء اور دیگر کی شہادت کی شدید مذمت کی ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ امن وامان برباد کرنے والے قاتلوں اور جرائم پیشہ افراد کو آہنی ہاتھوں سے کچلنا ہوگا۔ کراچی میں حکومت کی رِٹ ختم ہوچکی ہے۔ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن، سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ نے مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت علماء اور شہریوں کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ شہر میں عوام کے خون کی ہولی نام نہاد عوامی حکومت کے منہ پر طمانچہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہر میں دن دَہاڑے ۳ر علماء کا قتل ثابت کرتا ہے کہ حکومت امن وامان کے قیام میں مکمل ناکام ہوچکی ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کا کہنا ہے کہ کراچی میں فائرنگ کے واقعات شہر کے امن کو تباہ کرنے کی سازش ہے۔ انہوں نے علماء کرام کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں علماء کرام کو بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے دہشت گردی کو روکنے میں بے بس ہوگئے ہیں۔ دوسری جانب اہل سنت والجماعت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات علامہ اورنگزیب فاروقی نے اپنے بیان میں کہا کہ موجودہ حکومت ہمیں ہزاروں علماء اور کارکنان کی لاشوں کے تحفوں کے سوا کچھ نہ دے سکی۔ حکومت ہمیں کوئی اور راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اہل سنت نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو حالات کنٹرول سے باہر ہوجائیں گے''۔

..............................................

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ولادت خان پور ضلع رحیم یار خان میں ایک بزرگ عالم دین اور درویش صفت انسان حضرت مولانا محمد عظیم بخشؒ کے ہاں جون ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم علاقائی مدارس میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے گلشن بنوری کا انتخاب کیا اور

۱۹۷۱ء میں دورہ حدیث کی تعلیم مکمل کرکے درسِ نظامی سے فاتحہ فراغ پڑھا۔ اس کے بعد اسی مادرِ علمی میں دوسال تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا اور ۱۹۷۳ء میں مفتی کا اعزاز پاکر جامعہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔

کچھ عرصہ آپ نے دارالعلوم حسینیہ شہداد پور میں درسِ نظامی کی تدریس کی۔ والد صاحب کے وصال کے بعد آپ نے خان پور کا قصد کیا اور وہاں علاقائی قرب و جوار کے مدارس میں مفت دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ مطب بھی قائم فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ سکھر میں بھی کئی سال تک تدریس فرماتے رہے۔ اور پھر ۱۹۹۶ء میں اپنی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے اور تا حال جامعہ کے دارالافتاء کی ذمہ داریاں اور جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ جامعہ میں دارالافتاء اور تدریس کی ذمہ داریاں نبھانے کے باوجود کراچی کے مختلف مدارس میں آپ نے حدیث کے اسباق پڑھائے، ان مدارس میں مدرسہ الٰہیہ لیاقت آباد اور مدرسہ درویشیہ شامل ہیں۔ مدرسہ درویشیہ میں آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ اسی طرح تقریباً ۱۶؍سال سے مسجد الحمراء جمشید روڈ نمبر:۱ کے آپ امام وخطیب رہے۔ یوں گویا آپ نے علمی، تدریسی، افتاء اور مختلف دینی امور کی خدمت ۳۸ سال تک کی۔ آپ نے پسماندگان میں بیوہ، ۴؍بیٹے اور ۲؍بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کے ساتھ رتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے حضرت مفتی صالح محمد کاروڑیؒ ہیں۔ انہوں نے غالباً ۱۹۹۲ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فراغت حاصل کی، یہیں سے تخصص فی الفقہ کیا۔ اور اساتذہ نے ان میں مخفی جوہر محسوس کرتے ہوئے دارالافتاء میں ان کا تقرر کیا، جہاں انہوں نے بہت زیادہ محنت، لگن اور صبر آزما مراحل میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت زیادہ ترقی پالی۔ آپ دارالافتاء میں حاضر دماغ مفتی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ نے سوگواران میں ۲؍بیوہ، ۳؍بیٹیاں اور ۴؍بیٹے سوگوار چھوڑے ہیں۔

اسی طرح تیسرے شہید مولانا حسان علی شاہؒ ہمارے دوست مولانا لیاقت علی شاہ صاحب مہتمم ''مدرسہ درویشیہ'' کے فرزند تھے، جو ابھی زیرِ تعلیم تھے اور ان دونوں بزرگوں کو جامعہ سے لانے اور لے جانے پر مأمور تھے۔

اللہ تعالیٰ ان شہداء کے درجات کو بلند فرمائے، ہمیں اللہ پاک صبر کی توفیق عطا فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کو ان مصائب ومشکلات سے نجات عطا فرمائے۔

..................................

# جامعہ میں کراچی بھر کے علماء کرام کا اہم اجلاس

۶؍فروری ۲۰۱۳ء بروز بدھ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم کی دعوت پر کراچی بھر کے علماء کرام کا ایک اجلاس وفاق المدارس العربیہ کے صدر استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں ملک کے امن وامان کی عمومی صورتحال بطورِ خاص کراچی کے حالات اور دینی طبقہ، علماء اور طلباء کے مظلومانہ قتل اور شہادتوں کی روک تھام کے بارے میں مشاورت اور قیمتی آراء کا تبادلہ ہوا، اجلاس کے اختتام پر درج ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:

......اعلامیہ......

''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں جامعہ کے رئیس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کی دعوت پر دینی مدارس و جامعات کے اکابرین اور دینی جماعتوں کا نمائندہ اجلاس وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، اجلاس میں مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا محمد اسفند یار خان، مفتی محمد زرولی خان، مولانا حکیم محمد مظہر، مفتی محمد، قاری محمد عثمان، مولانا اورنگزیب فاروقی، قاری عبدالمنان انور، محمد انور رانا، مولانا محمد یار، مولانا امداد اللہ، مولانا فضل محمد یوسف زئی، مولانا سعید اسکندر، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا احمد یوسف بنوری، قاری محمد اقبال، مولانا عبدالکریم عابد، مولانا عمر صادق، ڈاکٹر فیاض، مولانا محمد غیاث، مولانا گل محمد تالونی، قاری فیض اللہ چترالی، مولانا تاج محمد حنفی، مولانا رفیع اللہ، مفتی عبدالحمید ربانی، مفتی احمد ممتاز، مولانا حق نواز، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا لیاقت علی شاہ، مفتی عثمان یار خان، مولانا اقبال اللہ، مولانا نعمان نعیم، مولانا عبدالرحمٰن سندھی، مولانا عباد الرحمٰن، اور دیگر درجنوں علماء کرام نے شرکت کی۔

اجلاس میں شہر کراچی میں بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، آئے روز بڑھتی ہوئی بدامنی، لوٹ مار، بھتہ خوری، پرچی سسٹم اور دینی مدارس پر پے درپے حملوں، طلباء اور علماء کے قتل خصوصاً جامعہ کے دار الافتاء کے صدر مفتی مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ، ان کے معاون مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور طالب علم حسان علی شاہؒ کے سفاکانہ قتل پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اجلاس کے شرکاء نے یہ محسوس کیا کہ سندھ حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے عام شہریوں، دینی مدارس کے طلباء اور علماء کی جان و مال، عزت وآبرو کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہوگئے ہیں۔ شہریوں اور دینی مراکز کو دہشت گردوں اور سفاک قاتلوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دہشت گرد جب چاہیں جسے چاہیں سرعام قتل کردیتے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ شہر میں جنگل کا قانون ہے۔ حکومت اور انصاف

نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ دینی مدارس جو مراکز اسلام اور علوم نبوت کی چھاؤنیاں ہیں، یہ مدارس خالص دینی تعلیم کی سرگرمی رکھتے ہیں، قانون اور آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے علوم نبوت کی اشاعت کے عظیم کام میں شب روز مصروف عمل ہیں۔ ان مدارس کے اکابرین علمِ نبوت، علومِ قرآن پڑھاتے ہوئے تاریخ ساز خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آئے روز ایسے عظیم اور بے ضرر انسانوں کا پے در پے قتل‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مہمانوں کا قتل عام ہے جو ہر انسان کے لئے ایک تکلیف دہ عمل ہے، جس میں بجا طور پر پوری قوم سوگوار اور غم زدہ ہے۔ ہماری اب تک کی امن پسندی کو بزدلی اور کمزوری سمجھا جانے لگا ہے۔ جبکہ اب ہمارے مدارس دینیہ کے مخلصین اور عام شہری علماء کو امید کی کرن سمجھتے ہوئے ان کی رائے کا انتظار کر رہے ہیں اور ان کے حکم کے منتظر ہیں۔ ان حالات میں علماء کرام کا یہ نمائندہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ:

۱:......کراچی میں علماء کرام، طلباء اور عام شہریوں کا قتل عام بند کرتے ہوئے ان کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ علماء کرام سمیت عام شہریوں کے قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کرکے عبرت ناک سزا دی جائے۔ بصورتِ دیگر علماء کرام اور اہل مدارس اس امر پر مجبور ہوں گے کہ وہ آئندہ کسی بھی حادثہ کے بعد اپنا تعلیمی نظم، مدارس کی چاردیواری کی بجائے سڑکوں پر آکر شروع کردیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک حکومت تحفظ کی ضمانت نہیں دے گی۔

۲:......اسی طرح پہلے مرحلے میں جمعہ ۸؍فروری کو کراچی میں پرامن ہڑتال کا اعلان کیا جاتا ہے اور اہل کراچی سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ۸؍فروری کو کراچی کے شہریوں، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجر، علماء، طلباء اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے بے گناہ افراد کے سفاکانہ قتل، بدامنی، بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ کے خلاف رضاکارانہ طور پر اپنا ہر قسم کا کاروبار بند رکھ کر حکومت کو یہ پیغام دیں کہ اگر شہریوں اور ان کے مقتداء علماء کرام کو امن نہ دیا گیا تو پھر غیر معینہ مدت کے لئے احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا جائے گا۔ اور ہر قسم کے امن وامان کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

۳:......اجلاس میں سپریم کورٹ سے اپیل کی گئی ہے کہ جس طرح وہ مختلف حساس معاملات پر ازخود نوٹس لیتی رہتی ہے، وہاں وہ دینی مدارس کے علماء اور طلباء کے سفاکانہ قتل پر ازخود نوٹس لے کر ملک کی بڑی اکثریت کے جذبات کا احساس کرے، اور مظلوم طبقہ کو انصاف فراہم کرنے کے لئے اپنا فرض منصبی ادا کرے، تاکہ ملک کے لاکھوں علماء، طلباء اور ان کے کروڑوں لواحقین انصاف کے حصول کے لئے ازخود کوئی اقدام کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

۴:......اجلاس میں اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا کہ ایک طویل عرصہ سے کراچی میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، دارالعلوم کراچی، جامعہ احسن العلوم، جامعہ

حمادیہ، جامعہ اشرف المدارس، جامعہ اسلامیہ رحمانیہ اورنگی ٹاؤن، جامعہ انوار العلوم، جامعہ رحمانیہ بفرزون، جامعۃ الصالحات للبنات، جامعہ محمودیہ، جامعہ دار الخیر اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سمیت دیگر دینی مدارس اور دینی تنظیموں کے جید علماء کرام جو صرف درس و تدریس کے عظیم منصب پر فائز تھے، ان کو کیوں نشانہ بنایا گیا؟۔ اسی طرح آئے روز کراچی میں لسانی اور مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں کا قتل عام کیوں کیا جارہا ہے؟ اور کسی بھی حکومت نے قاتلوں کو کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچایا ہے؟ جبکہ پاکستان بھر کے علماء کرام نے ہمیشہ مسلح جدوجہد یا فرقہ واریت سے نہ صرف لاتعلقی کا اظہار کیا ہے، بلکہ اس سے ایک ناپسندیدہ عمل اور ملک کی بقاء واستحکام کے خلاف غیروں کی گہری سازش قرار دے کر اس سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے۔ لہٰذا دینی مدارس و جامعات کے اکابرین اور دینی جماعتوں کا یہ نمائندہ اجلاس خبردار کرتا ہے کہ اگر حکومت نے فوری طور پر جامعہ علوم اسلامیہ کے شہداء سمیت تمام دینی مدارس کے علماء، طلباء اور شہریوں کے قاتلوں کو گرفتار کر کے عبرت ناک سزا نہ دی تو پھر ۸؍فروری کی ہڑتال کے بعد آئندہ مرحلہ وار تحریک کا آغاز کر دیا جائے گا، جس میں دھرنے اور سڑکوں پر غیر معینہ مدت تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنا شامل ہوگا۔

۵:......اجلاس میں کہا گیا کہ سندھ حکومت علماء کرام، طلباء، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے کراچی کے معصوم شہریوں کے جان و مال، عزت وآبرو کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہوگئی ہے، لہٰذا وزیر اعلیٰ اور گورنر سندھ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوری طور پر مستعفی ہوجائیں یا وفاقی حکومت انہیں برطرف کرتے ہوئے غیر سیاسی وابستگی رکھنے والے گورنر کا تقرر کرتے ہوئے بلوچستان کی طرح گورنر راج نافذ کر کے کراچی کی رونقوں، محبتوں اور امن کو بحال کرے۔

۶:......اجلاس میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تجویز پر شرکاء نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والی تمام سیاسی و دینی جماعتیں اور علماء وطلباء اپنے تحفظ و دفاع اور اپنے شہداء کے قاتلوں کے تعاقب اور ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے متفقہ دفاعی فورم تشکیل دیں گے، جس کا اعلان اور تشکیل چند روز میں کر دی جائے گی۔ اجلاس کے شرکاء نے ہاتھ اٹھا کر صدر مجلس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب پر اعتماد کا اظہار کیا اور اس اعتماد کو ''بیعت'' کا نام دیا گیا۔

۷:......اجلاس کے شرکاء نے حکومت سے فوری مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس کے علماء ومشائخ اور مذہبی رہنماؤں کو اپنے دفاع اور حفاظت کے لئے اسلحہ لائسنس جاری کئے جائیں۔''

**وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنامحمدوعلیٰ آله وصحبه أجمعین**

# قرآن مجید کیا ہے؟

(۳) حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے ان پانچ آیات کے پڑھانے کے بعد (چند ماہ کے وقفہ سے) نازل ہونے والی دوسری سورت المزمل میں ''قَوْلًا ثَقِیْلًا'' کے الفاظ میں اس انسانی تصور سے بالاتر قرآن کے لاہوتی ثقل اور شدت سے آپ ﷺ کو باخبر کردیا تھا اور ''لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ الخ'' کی تمثیل سے قرآن کے ثقل اور شدت سے پوری طرح آگاہ بھی فرمادیا تھا، تاکہ آپ ﷺ اس ہوش ربا ثقل اور شدت کے برداشت کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہیں اور قرآن اترنے کے وقت آپ ﷺ کی حالت کا مشاہدہ کرنے والے صحابہؓ خصوصاً ازواج مطہراتؓ بھی نہ گھبرائیں، لہٰذا قرآن کریم کی یہ آیتیں ان احادیث صحیحہ کی قطعاً تصدیق وتوثیق کرتی ہیں، جن میں قرآن اترنے کے وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر خلاف معمول اور خارق عادت قسم کی کیفیات طاری ہونے کا تفصیلی بیان وارد ہے۔

بہرصورت رسول اللہ ﷺ کو قرآن ''پڑھانے'' سے متعلق مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل امینؑ اپنی اصلی ملکی صورت سے اتر کر (جس کے مشاہدہ کی تصریح آپ سورۂ نجم کی آیت میں پڑھ چکے ہیں) انسانی شکل وصورت میں آپ ﷺ کے پاس آتے، آپ ﷺ ان کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے، وہ آپ ﷺ کو انسانوں کی طرح قرآن کریم کی آیات پڑھاتے، آپ ﷺ پڑھتے، وہ تعلیم دیتے، آپ ﷺ تعلیم حاصل کرتے، وہ آپ ﷺ کو اللہ کا کلام (قرآن کی آیات) سناتے، آپ ﷺ سنتے تھے، بالکل دو انسانوں (معلم ومتعلم) کی طرح معاملہ ومکالمہ ہوتا تھا۔ روح اعظم جبریل امین علیہ السلام صرف آپ ﷺ کے پاس ہی انسانی شکل وصورت میں نہیں آئے ہیں، بلکہ قرآن کی تصریح کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھی اسی طرح انسانوں کی شکل میں آئے ہیں اور ان سے انسانوں کی طرح باتیں کی ہیں۔ سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

''فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاً، قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ إِنْ کُنْتَ تَقِيّاً، قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِأَهَبَ لَکِ غُلَاماً زَکِيّاً، قَالَتْ أَنّٰی يَکُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَلَمْ أَکُ بَغِيّاً، قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ''. (مریم:۱۷،۱۸،۱۹،۲۰،۲۱)

ترجمہ:...... ’’تو ہم نے مریم کے پاس اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا تو وہ مریم کے سامنے ایک توانا وتندرست آدمی بن کر آیا، تو مریم نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ لیتی ہوں، اگر تو متقی پرہیزگار ہے، تو اس نے کہا: اس کے سوانہیں میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں کہ تجھ کو ایک پاک وصاف لڑکا دے جاؤں۔ مریم نے کہا: میرے لڑکا کہاں سے ہوگا؟ درانحالیکہ نہ کسی آدمی نے مجھے (بیوی کے طور پر) ہاتھ لگایا، نہ ہی میں کبھی بدکارعورت ہوئی، تو اس (فرشتہ) نے کہا: یونہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے، یہ (بغیر باپ کے بیٹا پیدا کردینا) میرے لئے بہت آسان ہے‘‘۔

دیکھئے! اس واقعہ میں بھی وہی روح جس کا ذکر آپ سورۂ حشر کی آیات میں ’’رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا‘‘ کے عنوان سے پڑھ چکے ہیں اور وہی ’’أرسلنا‘‘ اور ’’رسول‘‘ کے الفاظ جو ’’أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً‘‘ کے عنوان سے انہی آیات میں پڑھ چکے ہیں موجود ہیں (دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر غور کیجئے)۔

اس آیت کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ روح امین (جبرئیل) علیہ السلام حضرت مریمؑ کے سامنے ایک توانا وتندرست نوجوان کی شکل وصورت میں آئے ہیں، چنانچہ وہ تنہائی میں ایک توانا وتندرست نوجوان کو موجود دیکھ کر اور بلاتردُّد اُن کو انسان سمجھ کر ڈری ہیں اور دست درازی کے خطرہ کی بناء پر ان کی پرہیزگاری کا واسطہ دے کر رحمٰن کی پناہ لینے پر مجبور ہوئی ہیں اور جب جبرئیل امینؑ نے ان کو قطعی طور پر اطمینان دلا دیا ہے کہ میں انسان ہرگز نہیں ہوں، بلکہ اللہ جل جلالہٗ کا فرستادہ فرشتہ ہوں، تب مطمئن ہوکر ان سے بالکل انسانوں کی طرح باتیں کی ہیں (جن کی پوری تفصیل سورۂ مریم میں پڑھیں)۔

بالکل اسی طرح حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل وصورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تھے، آپ ﷺ کو چونکہ جبرئیل امینؑ کو ان کی اصلی صورت پر بھی اور اس سے اتر کر انسانی شکل میں آتا ہوا بھی دکھلا دیا گیا تھا اور آپ ﷺ بچشم خود جبرئیل امینؑ کے اس تمثل اور ’’تَدَلِّی‘‘ کا مشاہدہ کر چکے تھے، اس لئے آپ ﷺ کو ان کے پہچاننے میں کبھی تردد وتذبذب نہیں ہوا (تاہم جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے جبرئیل امینؑ آپ ﷺ کے پاس ایک ہی غیر معمولی) حسین وجمیل اور توانا وتندرست انسان کی شکل میں عموماً آیا کرتے تھے۔ (آپ ﷺ کی جسمانی حالت میں تغیر اور اضطرابی کیفیت صرف کلام الٰہی کے غیر معمولی ثقل اور وحی الٰہی کی شدت پر مبنی تھی، جیسا کہ آپ قرآن کریم کی تصریحات کی روشنی میں پڑھ چکے ہیں۔

## جبرئیل امینؑ کے قرآن لے کر آنے کی دوسری صورت

جبرئیل امینؑ کے آپ ﷺ کے پاس قرآن لے کر آنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ: ایک مرتبہ سورۂ تکویر کی آیت کریمہ ’’وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ‘‘ کے تحت دوسری مرتبہ سورۂ والنجم کی آیت ’’فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰی‘‘ کے تحت) ہی خرق عادت کے طور پر آپ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کے قلب (گوشت کے ٹکڑے پر نہیں، بلکہ ذی شعور روح) قرآن کریم کی آیات کا القاء

کریں۔اس صورت میں آپ ﷺ دل کی آنکھوں سے ہی ان کو دیکھتے اور دل کے کانوں سے ہی قرآن کی آیات سنتے اور اللہ جل مجدہ کے وعدہ کے مطابق فوراً آپ ﷺ کو یاد اور آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہوجاتیں۔اس دوسری صورت کا ذکر اللہ جلت عظمتہ نے اپنی ذات مقدس کی طرف نسبت کرکے تو سورۂ مزمل کی آیت ذیل میں ذکر فرمایا ہے:

۱......"وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيلاً". (المزمل:۴)

ترجمہ:......"اور (اے مزمل! کملی پوش!) تو آہستہ آہستہ قرآن پڑھا کر، بے شک ہم (رفتہ رفتہ) تجھ پر (جبرئیلؑ کے ذریعہ) بڑا بھاری قول (کلام) ڈالیں گے"۔

چونکہ یہ القاء جبرئیل امینؑ کے واسطہ سے ہے، براہ راست نہیں، مگر ہے اللہ جل جلالہ کی جانب سے، لہٰذا سورۃ النحل میں اس القاء کو بصورتِ فعل مجہول ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے:

۲......"إِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ". (النمل:۶)

ترجمہ:......"بے شک (اے نبی!) تم پر یہ قرآن القاء کیا جارہا ہے، بڑی حکمت والے، بڑے ہی علم والے (پروردگار) کے پاس سے"۔

یعنی اللہ جلت حکمتہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کوہ شکن لاہوتی کلام کے تم براہِ راست متحمل نہیں ہوسکتے، اس لئے روح القدس جبرئیل امینؑ کو اس کا حامل بنایا اور ان کے واسطہ تمہارے قلب روح شاعرہ پر یہ القاء کیا جارہا ہے، تاکہ اس قرآن کے لاہوتی ثقل کے اول یہ شدید القویٰ روح (جبرئیلؑ) متحمل ہوجائیں (کہ ملکوتی روح ہونے کی وجہ سے ان کے لئے فی الجملہ آسان ہے) اس کے بعد تمہارے قلب روح شاعرہ کے لئے (جس کی خرق عادت کے طور پر بار بار کے شق صدر، اور خود جبرئیلؑ کے ضم وضغط کے ذریعہ ہم نے عام بشری روحوں سے قوی تر بنا دیا ہے، اس قرآن کا تحمل آسان ہوجائے، ایک نبی مرسل بشر) محمد ﷺ تک قرآن عظیم (اللہ کا ازلی ابدی کلام) پہنچانے کی یہ تکوینی تدبیر ہمارے وسیع علم وحکمت پر ہی مبنی ہے کہ ہم ہی تمام کائنات اور ملکوتی وناسوتی (مادی) مخلوق اور ان کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف اور باخبر ہیں اور جو چاہیں بآسانی کرسکتے ہیں۔سورۃ الشعراء کی آیت کریمہ ذیل میں آپ ﷺ کے قلب مطہر پر اس قرآن (کلام اللہ) کو اتارنے والے ملکی رسول جبرئیل امینؑ کی طرف نسبت کی تصریح فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

۳......"وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ". (الشعراء:۱۹۲،۱۹۳،۱۹۴)

ترجمہ:......"اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا (کلام) ہے، اس کو اتارا ہے روح امین (جبرئیلؑ) نے تاکہ تم بھی خبردار کردینے والے (نبیوں) میں سے ہوجاؤ"۔

اور سورۂ بقرہ میں ان کے نام کی بھی تصریح فرمادی ہے:

۴......"قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ". (البقرۃ:۹۷)

ترجمہ:......’’(اے نبی!) تم کہہ دو: جو جبرئیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) پس بے شک جبرئیل نے تو اللہ کے اذن سے تمہارے دل پر اس قرآن کو اتارا ہے‘‘۔

ان چاروں آیات میں ’’القاء، تلقی‘‘ اور ’’علی قلبک‘‘ کی تصریحات اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ جبرئیل امینؑ نے اپنی ملکی صورت پر رہتے ہوئے بھی قرآن کریم کی آیات آپ ﷺ کے قلب مطہر پر اتاری ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ کی روح شاعرہ اس عالم بشری سے منسلخ (الگ) ہوکر روح الامین کو دیکھتی اور پہچانتی بھی تھی اور ان سے قرآن کی آیات اخذ بھی کرتی تھی۔ یہی معنی ہیں دل کی آنکھوں سے دیکھنے اور دل کے کانوں سے سننے کے، جیسا کہ آیت کریمہ نمبر:۲ کے لفظ ’’إِنَّکَ لَتُلَقّٰی الْقُرْآنَ‘‘ بے شک تمہارے اوپر قرآن ڈالا جارہا ہے۔ یہ ظاہر ہے اور چونکہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ڈالا جارہا ہے، اس لئے ’’مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ‘‘ کی تصریح فرمادی اور چونکہ ڈالنے والے جبرئیل امینؑ ہیں، اس لئے آیت کریمہ نمبر:۳ میں ’’الروح الأمین‘‘ کی تصریح فرمادی کہ بلاواسطہ نہیں، بلکہ ’’الروح الأمین‘‘ کے واسطے سے ڈالا جارہا ہے اور چونکہ ہر آیت یا آیات جبرئیل امینؑ اپنے ارادہ اور اختیار وانتخاب سے نہیں لاتے تھے، اس لئے آیت کریمہ نمبر:۴ میں ’’باذن اللّٰہ‘‘ کی تصریح فرمادی کہ جبرئیلؑ اللہ کی اجازت اور حکم سے قرآن کی آیات لاتے اور اتارتے ہیں چنانچہ جمہور محدثین ومفسرین اللہ کے کسی بشر سے کلام کرنے کی تین صورتوں سے (جن کا ذکر آپ سورۃ الشوریٰ کی آیت میں پڑھ چکے ہیں) پہلی صورت ’’إِلَّا وَحْیاً‘‘ کا مصداق جبرئیل امینؑ کے دوسری صورت میں (کہ وہ خود اپنی ملکی صورت پر ہیں اور آپ ﷺ کی روح شاعرہ عالم بشری سے الگ ہوکر اخذ کرے) قرآن کی آیات پہنچانے کو ہی قرار دیتے ہیں۔ صحیح بخاری اور دوسری تمام کتب صحاح کی معروف ومشہور حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ ’’کیف یأتیک الوحی؟‘‘ کے جواب میں خود فرماتے ہیں: ’’کل ذلک یاتینی الملک‘‘ اور اس صورت کو آپ ﷺ ’’وھو أشدہ علی‘‘ (اور یہ وحی مجھ پر سب سے زیادہ شدت کا موجب ہوتی ہے) فرماتے ہیں (ظاہر ہے کہ بتقاضاء بشریت بیداری کی حالت میں روح شاعرہ کا عالم بشری سے منسلخ (الگ اور بے تعلق ہونا آپ ﷺ کے بدن کے لئے انتہائی شدت اور نظام جسمانی کے اختلال کا موجب ہونا چاہئے اور وحی آنے کے وقت جو جسمانی اعتبار سے غیر معمولی ’’ربودگی‘‘ کی کیفیت اور مختلف شدت کے آثار آپ ﷺ پر طاری ہوتے تھے، جن کی تفصیلات چشم دید گواہوں یعنی صحابہؓ وازواج مطہراتؓ نے احادیث میں بیان کی ہیں، اس کا سبب بھی یہی روح شاعرہ کا عالم مادی سے اتنی دیر کے لئے بے تعلق اور الگ ہونا ہے۔

یاد رکھئے! کہ قرآن عظیم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم انسانی میں دو روحیں کارفرما ہیں، ایک روح حیات جس پر جسمانی نظام حیات کا مدار ہے، یہ پیدا ہونے کے بعد سے مرتے دم تک ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہیں ہوسکتی، اسی پر زندگی کا انحصار ہے اور ایک روح شاعرہ جو معمولاً سونے کے وقت ہر سونے والے کے بدن سے جدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی“۔ (الزمر:۴۲)

ترجمہ:......”اور اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے“۔

خرق عادت یہی تھا کہ وحی آنے کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن مبارک سے آپ ﷺ کی روح شاعرہ بیداری میں بے تعلق ہوکر جبرئیل امینؑ سے وحی الٰہی اخذ کرنے میں منہمک ہوجاتی تھی۔ باقی رہا آپ ﷺ کا ادراک وشعور تو وہ اس حالت میں اعلیٰ درجہ پر کام کرتا تھا، اسی لئے وحی الٰہی فوراً کے فوراً قلب مبارک پر یعنی عقل وشعور میں پتھر کی لکیر کی طرح نقش اور ثبت ہوجاتی تھی۔ تفصیل کے لئے کسی دوسری فرصت کا انتظار کیجئے۔ یہ چند سطریں بھی اس لئے سپرد قلم کی گئی ہیں کہ ناواقف اور سادہ لوح قارئین کے ذہن میں یہ خلجان پیدا نہ ہو کہ جب آپ ﷺ کی روح بدن سے بے تعلق رہتی تھی تو آپ ﷺ زندہ کیسے رہتے تھے؟۔

قرآن کی وہ تمام نصوص اور صریح آیات جو ہم نے اب تک پیش کیں، خصوصاً اخیر کی ان چار آیات کے تجزیہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ (۴) مستقل چیزیں قرآن کے اس تکوینی نظام ترسیل میں کارفرما ہیں:

۱......ایک حکیم وعلیم رب العالمین کی ماوراء کائنات مقدس ومنزہ ذات۔

۲......دوسرے نبی امی خاتم انبیاء ﷺ کی ذات معصوم مع جسدہ العنصری (جسم مادی کے ساتھ...... پہلی صورت میں- جبکہ جبرئیل امینؑ انسانی شکل میں آئیں...... آپ ﷺ کا قلب منور (روح شاعرہ) دوسری صورت میں- جبکہ جبرئیل امینؑ اپنی اصل ملکی صورت پر قائم رہیں۔

۳......تیسرے جبرئیل امینؑ قرآن کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لانے والے ملکی رسول، جن کا لقب ہی روح ہے۔

۴......قرآن مجید اللہ کا ازلی ابدی کلام۔

ان چاروں حقیقتوں کا مستقل اور خارجی وجود ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کے وجود خارجی کا انکار بھی ایسا ہے جیسے عین دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑا ہوا شخص سورج کے وجود کا اور اس کے ایک مستقل عامل خارجی ہونے کا انکار کرے اور کہے کہ یہ جو نظر آرہا ہے یہ تو محض ایک وہمی اور خیالی صورت ہے۔

علاوہ ازیں ارسال کا لفظ بھی ہر زبان میں چار حقیقتوں کے مستقل وجود خارجی کو چاہتا ہے، جن میں سے کسی ایک کے بھی نہ ہونے کی صورت میں ارسال کا مفہوم متحقق ہو ہی نہیں سکتا:

۱......ایک مرسِل (بھیجنے والا، ۲......مرسَل الیہ- جس کے پاس بھیجا ہے۔ ۳...... ما یرسَل (وہ پیغام یا چیز جو بھیجی جائے۔ ۴......رسول (وہ شخص جس کے ذریعہ یا جس کے ہاتھ بھیجا جائے۔

ان میں سے آخری حقیقت کا وجود یقیناً ایک مستقل وجود خارجی اور عامل خارجی ہے، ان میں سے کسی ایک کے بھی مستقل وجود خارجی کا انکار درحقیقت اصل ارسال اور رسالت کا انکار ہے۔

درحقیقت قرآن کے مستقل وجود خارجی کا جبرئیلؑ کے وجود خارجی اور عامل خارجی ہونے کا انکار کرنے والے ہمارے مسلمان مستشرق قرآن کو (العیاذ باللہ) خود رسول اللہ ﷺ کا کلام کہنا چاہتے ہیں اور یہ مکلّف بھی صرف اس لئے ہیں کہ اپنے ''مخصوص مشن'' کے تحت وہ مسلمان کہلا کر مسلمانوں کو بے دین اور گمراہ کرنا چاہتے ہیں، ورنہ یہودی مستشرقین تو قرآن کو ''آپ ﷺ کا کلام'' بھی نہیں مانتے، بلکہ علانیہ اس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں سے آسمانی تعلیمات کا استفادہ کرکے عربی زبان میں ڈھالی ہوئی کتاب کہتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ صرف عبرانی یا سریانی زبان سے عربی زبان اور عرب ذہنیت میں ڈھالنا قرار دیتے ہیں۔ (کتاب کے تیسرے باب ''قرآن یہودی اور عیسائی مستشرقین کی نظر میں'' کے تحت آپ مزید تفصیل پڑھیں گے)۔

قرآن مجید دنیا میں نازل ہونے سے پہلے کہاں تھا؟ اور پھر دنیا میں کب اور کس طرح آیا؟ اور اب تک کس صورت میں محفوظ ہے؟ اور قیامت تک کس طرح محفوظ رہے گا؟

قرآن مجید (اللہ کا ازلی، ابدی اور قدیم کلام) دراصل لوح محفوظ میں تھا اور ہے، جہاں نہ کسی انسان کی رسائی ہوسکتی ہے، نہ جن کی، نہ اذنِ خداوندی کے بغیر کسی فرشتہ کی۔ سورۃ البروج میں ارشاد ہے:

''بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ''. (البروج:۲۱،۲۲)

ترجمہ: ''بلکہ وہ (اللہ کا کلام) عظیم قرآن، لوح محفوظ میں ہے''۔

سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے:

''وَإِنَّهُ فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ''۔ (الزخرف:۴)

ترجمہ: ''اور بے شک وہ (قرآن) ام الکتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے، بہت بلند تر ہے، نہایت محکم ہے''۔

## لوح محفوظ کیا ہے؟

لوح محفوظ کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، عالم ملکوت کی چیز ہے، انسان (مادی مخلوق) اس کی حقیقت کو کیا جانے؟ تاہم قرآن مجید میں ہی حق جل وعلی شانہ کے ''لامحدود علم'' اور ''لامتناہی معلومات'' سے متعلق جو آیات وارد ہوئی ہیں، ان کے پیش نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کا مصداق خدائے پاک و برتر کے لامحدود اور تمام کائنات- گذشتہ، موجودہ اور آئندہ- پر محیط ''علم تفصیلی'' اور ''غیر متناہی تفصیلی'' معلومات کا وہ حصہ ہے جو اس نے کارکنان قضاء وقدر کر دیا ہے، اسی کا ''قدر ضروری حصہ'' قرآن مجید ہے، اسی لئے دوسری آیت کریمہ میں لوح محفوظ کو ''أم الکتاب''- اصل کتاب- سے تعبیر فرمایا ہے اور ''لدینا'' سے اس کا مقام متعین فرمایا ہے اور ''لعلی'' سے اس کی برتری اور رفعت کی اور ''حکیم'' سے اس کے محکم اور ناقابل تغیر وتبدل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ہم علم اور معلوماتِ الٰہی سے متعلق بطور ''گلے از گلزارے'' صرف دو آیات نقل کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ''علم'' اور ''معلومات الٰہی'' سے متعلق بڑی کثرت سے آیات موجود ہیں مراجعت کیجئے۔ **(جاری ہے)**

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اورآپ کے رُفقاء کی شہادت پر

# رئیس جامعہ کا اہم خطاب!

حضرت مولانا ڈاکٹرعبدالرزاق اسکندر مدظلہ

۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات جامعہ کے اساتذہ کی شہادت ہوئی۔ یکم فروری کو بعداز نمازِ جمعہ بنوری ٹاؤن اور ملک کی متعدد جگہوں پر مظاہرے ہوئے۔ اور بروز ہفتہ جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹرعبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم نے اساتذۂ جامعہ اور طلبہ سے اہم خطاب فرمایا اور بہت سی نصائح فرمائیں۔ افادۂ عام کے لئے یہ خطاب اور نصائح ہدیۂ قارئین ہیں۔

**الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد:**

محترم علماء کرام! عزیز طلبہ! ومہمانانِ گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے میں اپنے عزیز طلبہ اور اساتذہ کرام کا اپنے دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس عظیم حادثہ پر صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور عملی طور پر ’’وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ‘‘ صابرین کا نمونہ پیش کیا۔ مجھے سُننے میں آیا ہے کہ یہاں کے طلبہ جو شہدا کی روحانی اولاد ہیں، اسی طرح دوسرے مدارس کے طلبہ جو یہاں آئے، ان سب طلبہ نے اپنے آپ کو بہت سنبھالا اور بڑے صبر وضبط سے کام لیا اور یہاں کے ذمہ داران سے انہوں نے گزارش کی کہ آپ کے حکم کی دیر ہے، آپ حکم دیں، ہم ہر چیز کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بہرحال اللہ نے یہ دین کی خصوصیت رکھی ہے اور اس دین کے پڑھنے والوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور آپ نے دیکھ لیا کہ کتنا بڑا حادثہ ہوا اور تھوڑی سی بھی ایسی حرکت نہیں ہوئی کہ جس سے غیر متعلقہ لوگوں کو کچھ نقصان پہنچا ہو۔ پُرسکون طریقہ سے احتجاج بھی ہوا، نہ کوئی توڑ پھوڑ ہے، نہ کسی کا نقصان ہے۔ اور اس سے آپ بلکہ وہ لوگ جو دینی مدارس کو بدنام کرتے ہیں کہ یہاں تو دہشت گردی پھیلائی جاتی ہے، یہاں تو یہ ہوتا ہے، یہاں یہ ہوتا ہے، آج اپنی آنکھوں سے تم نے دیکھ لیا۔ ظالمو! آنکھیں بند کرکے جو تمہارا آقا کہتا ہے طوطے کی

طرح رٹتے رہتے ہو: دہشت گردی، دہشت گردی۔ یہ کتنا بڑا حادثہ تمہارے سامنے ہے۔ ذرا بتاؤ! کسی کا ایک قطرہ خون کا بہایا گیا؟ یا کسی کا ایک پیسہ ضائع کیا گیا؟ کسی کو کوئی تکلیف دی گئی؟ اتنا بڑا مجمع چاہے وہ جنازے کے وقت ہو یا کل جمعہ کے بعد احتجاج کے وقت، پُرامن طور پر جمع ہوا اور منتشر ہوگیا۔

ان ظالموں کی آنکھیں کھلنی چاہئیں جو دینی مدارس کے طلبہ کو دہشت گرد کہتے ہیں۔ اگر واقعی یہ دہشت گرد ہوتے تو ان کے پاس ایک اچھا خاصہ عذر بھی تھا، ٹریفک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ دینی مدارس کے طلبہ اپاہج ہیں؟ وہ بھی تمہاری طرح تمام طاقت رکھتے ہیں۔ نہتے ہوتے ہوئے بھی اگر وہ چاہیں تو کراچی کو اوپر نیچے کردیں۔ لیکن ہمارا دین دینِ امن ہے، سلامتی کا دین ہے۔ ہمارے طلبہ وہ ہیں جو اپنے اساتذہ کے اشارے پر چلتے ہیں۔ ہمارے طلبہ وہ ہیں کہ جو اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ کبھی آپ نہیں دیکھیں گے کہ کسی طالب علم نے اپنے استاذ کی بے ادبی کی ہو، قتل کیا ہو، جبکہ تمہارے ہاں دن رات، جس پر قوم کا پورا سرمایہ ضائع اور صَرف ہوتا ہے، علانیہ امتحان گاہ میں نگرانوں کو مارا جاتا ہے۔ اب آپ کو یہ یقین ہوجانا چاہئے کہ یہ مدارس خالص دین کے مدارس ہیں، یہاں پرامن وسلامتی کا درس دیا جاتا ہے۔

میں بہرحال اپنے اساتذہ کرام، طلبہ اور شہدأ کے متعلقین حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور صبر وتحمل کا نمونہ پیش کیا۔ ان حضرات کی شہادت سے بے شک جامعہ اور ہمارے لئے بہت بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ شخصیات اور کامل انسان بڑی مدت کے بعد پیدا ہوتے ہیں: ''**الناس کأبل مائة لاتکاد تجد فیها راحلة**''۔ آپ ﷺ نے کام کے لوگوں کی یہ ایک مثال دی۔ اُس معاشرہ کے اندر یہی واضح مثال تھی کہ اگر ایک سو اونٹ کھڑا ہے، قد کے اعتبار سے، حسن کے اعتبار سے، رنگ کے اعتبار سے، ایک سو اونٹ ہے، فرمایا: بمشکل ایک اونٹ ایسا یا اونٹنی ایسی ہوگی جس پر آپ سفر کرسکیں اور صحرأ میں وہ وزن اُٹھا کے چل سکے۔ اسی طرح انسانوں میں شکل وصورت کے اعتبار سے تو بہت سے لوگ برابر ہوتے ہیں، داڑھیاں بھی ہیں، جُبے قُبے بھی ہیں، سب کچھ ہے، لیکن کام کے انسان بہت دیر سے بنتے ہیں، اسی لئے تو دشمن ہمیشہ ایسے انسانوں کا انتخاب کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ان دشمنانِ اسلام کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے ان غلط حربوں سے ان شاء اللہ! دین ختم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور انسانوں میں ایک جماعت تھی، ہے، اور رہے گی جو اس دین کی حفاظت کرے گی اور اس امانت کو اپنے بعد والوں کی طرف منتقل کرے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''**لاتزال طائفة من أمتي ظاهرین علی الأرض لایضرهم من خالفهم**''۔ اور یہ جماعت' علماء کی جماعت ہے جو اس دین کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے فرائضِ نبوت چار ہیں، جو قرآن نے بیان کئے ہیں: تلاوتِ کتاب اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ۔ یہ علماء کی ہر دور میں اللہ نے ایک جماعت پیدا کی

ہے، جس کا تسلسل چل رہا ہے، کوئی قرآن کے الفاظ کی حفاظت کررہا ہے، کوئی اس کے معانی کو بتارہا ہے، کوئی اس کی حکمت کو۔ اور کتاب وحکمت سے مراد قرآن کریم اور حدیث ہے اور اسی طرح خانقاہیں تربیت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں۔ یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، ان شاء اللہ!۔

ٹھیک ہے ہماری آزمائش بھی ہے، ہمارا امتحان بھی ہے کہ کیا واقعی ہم ان مراحل سے صبر واستقامت کے ساتھ گزرتے ہیں یا جزع فزع میں مبتلا ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ نے دنیا میں فرمادیا: ''بَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ''، ''إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ'' ہمارے جیسے انسان جو کرسیوں پر بیٹھے ہیں، اگر کسی کو ایک عام حادثہ میں کہہ دیں کہ بھائی! فکر نہ کر، میں تمہارے ساتھ ہوں، فکر نہ کر، میں تیرے ساتھ ہوں تو اس کی ہمت کتنی بڑھے گی؟ اور جہاں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: ''إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ'' اس کا اندازہ آپ خود لگالیں، تو بہرحال اس میں کوئی شک نہیں، انسان کمزور ہے، غم اور صدمہ کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اور غم سے روکا بھی نہیں گیا، آنسو بہہ جائیں، اس سے نہیں روکا گیا۔ جو چیز صبر کے خلاف ہے جزع فزع اور ''ضرب الخدود'' اور ''شق الجیوب'' (رخسار پیٹنا اور گریبان پھاڑنا) ان سے منع کیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا ایک اہم شعبہ شعبۂ افتاء اس کے یہ دونوں حضرات، مرحومین، شہدا ستون تھے۔ دیکھیں جس طرح یہ مسجد کی عمارت ہے، اس کے یہ ستون کھڑے ہیں، ان پر یہ چھت کھڑی ہے، تو اداروں میں یہ ہوتا ہے، بعض حضرات کی حیثیت ستون کی ہوتی ہے۔ اور اہل باطل اور دشمن چاہتا ہے کہ ستون کو گراؤ۔ لیکن ان کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ یہ اللہ کا دین ہے، اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ''۔ حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے جب ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی، بڑے ہاتھیوں کے ساتھ آیا، قرآن کریم میں مستقل ایک سورت اس واقعہ کی طرف اشارہ کررہی ہے: ''أَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِأَصْحَابِ الْفِیْلِ'' وہ ابرہہ بڑے بڑے ہاتھیوں کا لشکر لے کر بیت اللہ کو گرانے کے لئے روانہ ہوا، یمن سے آتے، آتے، منیٰ کے قریب وادیٔ محصب کے قریب اس نے ڈیرہ ڈالا۔ اب تیاریاں کررہا تھا حملہ کی۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں سب سے بڑی سیاسی اور دینی شخصیت آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب تھے۔ ان کے اونٹ بھی اُدھر چررہے تھے، اس لئے کہ منیٰ ایک وادی ہے، تو وادیوں کے پاس گھاس وغیرہ اُگ آیا کرتی ہے، درخت وغیرہ اُگتے ہیں۔ تو ابرہہ کے سپاہیوں نے ان کے اونٹ پکڑ لئے، عبدالمطلب کو پتہ چلا تو یہ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے بڑا اکرام کیا کہ یہاں کے بڑے ہیں، اور بٹھایا اور کہا کہ آپ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اونٹ آپ کے سپاہیوں نے پکڑ لئے ہیں، وہ مجھے واپس کردیں۔ اُسے بڑا تعجب ہوا، کہنے لگا میں تو یہ سمجھا کہ آپ آئے ہوں گے، آپ اس بات پر مذاکرات کریں گے کہ آپ بیت اللہ پر حملہ نہ کریں، آپ واپس چلے جائیں، تو آپ یہ چھوٹی سی بات لے کر آئے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے بڑا عجیب جواب دیا، وہی جواب آپ کو سنانا چاہتا ہوں، فرمایا: بھائی! اونٹوں کا مالک میں ہوں، اس لئے میں اونٹ مانگنے آیا ہوں، جو آپ کے

سپاہیوں نے لے لئے ہیں، باقی رہا بیت اللہ ''إن لهذا البيت ربا يحميه ''اس کا اپنا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت کرے گا، اس کی حفاظت میرے ذمہ نہیں ہے۔ جو جس چیز کا مالک ہوتا ہے، وہی اس کی حفاظت کرتا ہے، تو میں تو اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے وہی مانگنے آیا ہوں اور اس کا مالک رب ہے اور پھر رب نے کیسے حفاظت کی؟ ''وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ''اللہ چاہے تو منیٰ کی پہاڑیوں سے ان ہاتھیوں کے مقابلے میں بڑے بڑے ہاتھی نکال کر ان پر ڈال دیتے، اللہ قادر ہے۔

ہاں! تو میں کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے جو فرمایا کہ: ''إن لهذا البيت ربا يحميه ''اس گھر کا ایک رب ہے جو خود حفاظت کرے گا، پھر اللہ نے کیسے حفاظت کی؟ ابرہہ کے لشکر کا کوئی انسان بھی بیت اللہ یا مکہ میں داخل نہیں ہوسکا، وہ سب تباہ و برباد ہوگئے، خود وہ وہاں سے بھاگا۔ تو میں کہا کرتا ہوں کہ اعدائے اسلام کو معلوم ہونا چاہئے کہ ''إن لهذا الدين ربا يحميه ''یہ دین جسے اللہ نے آخری دین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے یہی دین چلے گا، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا۔ یہی کتاب چلے گی، یہی قبلہ ہوگا، یہی امت ہوگی۔ اور تم اگر چاہو اس کو ختم کرنا، یہ ناممکن ہے۔ تم مٹ جاؤ گے، ختم ہوجاؤ گے، اسلام نہیں مٹے گا:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ امت الحمدللہ! بانجھ نہیں ہے۔ اس میں ان شاءاللہ! اگر ایک مفتی عبدالمجید شہید ہوئے، اگر ایک مفتی صالح شہید ہوئے، تو ان شاءاللہ! سینکڑوں مفتی عبدالمجید، سینکڑوں مفتی صالح پیدا ہوں گے۔ اور میں اپنے عزیز طلبہ سے یہی کہوں گا کہ اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرو، اپنی محنت کو دوگنا کردو۔ یہ میدان اللہ نے کھلا چھوڑا ہے، جو آگے بڑھے گا اس کو یہ اعزاز ملے گا۔ آج بھی اس امت کے اندر بڑے بڑے علماء، مفتی، مفسر، محدث پیدا ہورہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس میں وہی شرط ہے، جیسے اپنے بزرگوں کو ہم نے دیکھا، آپ نے دیکھا یا سنا ہے، اپنے اندر اخلاص پیدا کرو، اس دین کو صرف اللہ کے لئے حاصل کرو۔

آپ نے دیکھا ہوگا یا سنا ہوگا کہ فوجیوں کی ٹریننگ ہوتی ہے، کچھ عرصہ بڑی سخت ٹریننگ ہوتی ہے اور ٹریننگ کے بعد جب وہ فارغ ہوتا ہے تو وہ سرکاری فوجی ہوجاتا ہے۔ اب وہ سرکاری انسان ہے، جہاں اس کی ڈیوٹی لگادو، وہ انکار نہیں کرتا، یہاں کھڑے ہوجاؤ، ادھر بارڈر پر چلے جاؤ، ادھر چلے جاؤ۔ تو اس لئے میں اپنے عزیز طلبہ سے، اپنے محترم اساتذۂ کرام سے کہوں گا کہ آپ اپنی محنتوں کو اور بڑھادیں۔ دین کو مقصد بنا کر، علم کو مقصد بنا کر، آگے بڑھیں۔ ان شاءاللہ! آج بھی ان مدارس کے اندر اس دین کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ختم نہیں ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ بہرحال ہم کمزور ہیں، اور ہمارے دل کمزور ہیں اور اپنے ایسے مخلص اساتذہ کرام اور ہمارے مخلص شرکائے عمل ان کے جانے سے ہمیں دکھ ہوتا

ہے۔لیکن آپ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ''**العین تدمع والقلب یحزن وإنا بفراقک یا إبراهیم! لمحزونون، ولا نقول إلا بمایرضی به ربنا تبارک وتعالیٰ** ''تو ہم بھی ان حضرات سے یہی کہیں گے کہ یا مفتی عبدالمجید! مفتی صالح! حسان! ''**العین تدمع والقلب یحزن وإنا بفراقکم یا شهدأ! لمحزونون**''۔

اور اس موقع پر مجھے اپنے دوسرے ایک ستون بھی یاد آ رہے ہیں مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ۔ آپ سب جانتے ہیں کہ ایک جہاز کے حادثہ میں وہ بھی شہید ہوئے۔ سب کے لئے ہمارا فرض یہ ہے، خصوصاً طلبہ میں بھی جوان حضرات کے شاگرد ہیں، تو جتنا آپ پر زندگی میں ان کے حقوق ہیں، اُن کے دنیا سے جانے کے بعد بھی اُن کے حقوق ہیں۔ اور وہ کیا ہیں؟ آپ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں ''**أوولدصالح یدعوله**''۔ روحانی اولاد کا بھی یہی حق ہے، جس طرح جسمانی اولاد کا حق ہے۔

میں آپ کو صرف ترغیب کے لئے سناتا ہوں، دکھلاوے کے لئے نہیں کہ الحمدللہ! میں اپنے بعض مشائخ اور بعض مخلصین اور میری ایک عادت بنی ہوئی ہے کہ جب سے وہ شہید ہوئے یا دنیا سے چلے گئے، میں ہر نماز میں ایک ایک کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا کرتا ہوں اور میرے پاس تقریباً ابھی یوں سمجھئے ابھی تک چوبیس آدمیوں کی لسٹ ہے، جس کی ابتداوالدہ مرحومہ سے ہوتی ہے، والدہ، والد، حضرت بنوری رحمہ اللہ۔ یوں کرتے، کرتے، کرتے، چوبیسواں نمبر ہے مولانا عطاء الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔ اور الحمدللہ سفر ہو، حضر ہو، ہر نماز کے بعد میں بھولتا نہیں۔ اس پر اگر میں قسم کھاؤں تو ان شاءاللہ! حانث نہیں ہوں گا۔ بہرحال ہم سے یہی ہوسکتا ہے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہاں بھائی! اس موقع پر جب ابھی دعا ہوگی۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جامعہ ہو یا جامعہ کے متعلقین اور پھر آپ جانتے ہیں کہ علماء کا ایک خاندان ہے، مشرق میں ہو، مغرب میں ہو، ایک کی مصیبت سب کی مصیبت ہے۔ ہمارے مولانا عبدالرؤف صاحب غزنوی جنہوں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کیا ہے، چنددن پہلے آپ کو یاد ہوگا ان کے بھائی مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کو کوئٹہ میں شہید کیا گیا۔ اسی طرح مولانا ہمارے بزرگ بڑے استاذوں میں (مولانا فضل محمد صاحب) ان کے رشتہ داروں کا حادثہ ہوا، یہ بھی ایک درجہ کی شہادت ہے۔ گاڑی پہاڑی علاقہ میں اُلٹ گئی اور گرگئی اور اس میں وہ شہید ہوگئے۔ اسی طرح جو آپ سب جانتے ہیں کہ ہماری تو ایک لمبی لسٹ ہے اور جامعہ کے شہداء کی اور بڑے حضرات کی۔ جب بھی دعا ہو، سب حضرات کے لئے آپ دعائیں کریں۔ اور جس طرح آپ نے صبر وتحمل کا ثبوت دیا ہے، اس حادثہ کے بعد اور اس کے بعد احتجاج کی شکل میں، امید ہے آئندہ بھی آپ اس صفت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط رکھیں گے۔ ہمیں بہرحال ان حضرات کی جدائی پر صدمہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جن کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کے بندے صبر کریں اور مومن کا بڑا سہارا یہی ہوتا ہے کہ جب افسوسناک خبر سنتا ہے تو ''**إنالله وإنا إلیه راجعون**'' پڑھتا ہے۔

ہم بھی اُدھر ہی جارہے ہیں۔ بھائی! وہ تو تب ہوتا کہ وہ گئے، ہم پیچھے رہ گئے، اب ہمیشہ جدائی ہوگئی۔نہیں بھائی! یہ تو مسافروں والی بات ہے، ایک آج روانہ ہورہا ہے، وہ کل جارہا ہے۔ یہ تو ہمارے پیچھے والوں کے لئے صبر آزما بات ہے، ورنہ شہداء تو خوش ہورہے ہیں، وہ تو اپنے دوسرے شہداء کے ساتھ گپیں لگارہے ہوں گے۔ ہمارا یقین ہے ان شاء اللہ! ہمارے جتنے شہداء جاچکے ہیں وہ بیٹھیں گے، ملاقاتیں ہورہی ہوگی، خوش ہوں گے اور پھر سب سے بڑا وہاں پر حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ بڑی بڑی شخصیات سے ملاقاتیں ہورہی ہوں گی۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟! وہ تو کامیاب ہی کامیاب ہیں، اسی لئے وہ ایک صحابیؓ کو جب تیر لگا تو فرمانے لگے: ''فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ!''۔

حضرت بلالؓ بیمار تھے دمشق میں، آج بھی ان کی قبر دمشق میں ہے اور ایک چھوٹی سی مسجد کے کنارے پر ہے، تو وہ بیمار تھے، بیوی بیچاری پریشان ہوگئی، کیا مصیبت آئی ہے؟ ایسے کچھ الفاظ کہے ہوں گے یا نوحہ کیا ہوگا تو اس کے جواب میں کہتے ہیں: ''**یاطرباہ**'' خوشی کا اظہار کررہے ہیں اوخوشی! اور ''**غدًا نلقی الأحبة**'' کتنی خوشی کی بات ہے، کل دوستوں سے ملاقات ہوگی، اور چھوڑ و ''**محمداً وصحبه**'' محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوگی۔ اور یاد رکھو! تم بھی، تعجب کی بات نہیں ہے، ہمارے ہاں عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے: ''**کرامات الأولیاء حق**'' اولیاء کی کرامتیں حق ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے بندوں کو دکھا دیتا ہے کہ آپ کا وقت آ گیا ہے، جیسے آج ہماری ظاہری زندگی میں کوئی آکر کہے کہ یہ آپ کا ٹکٹ ہے، فلاں وقت آپ کو جہاز میں جانا ہے، ان کو اللہ نے بتادیا کہ کل آپ کی (وفات ہے)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس دن شہید ہوئے ہیں تو اسی دن انہوں نے خواب دیکھا اور ساتھ میں آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ عثمان! تم پر بہت زیادہ زیادتی ہورہی ہے اور کل شام کو ہمارے ہاں روزہ افطار کرنا اور یہی ہوا۔ بہرحال جو جاچکے وہ تو کامیاب ہی کامیاب ہیں ''**فزت ورب الکعبة**'' اور ابھی آپ نے قاری صاحب سے اور مولانا سے بھی شہداء کے بارے میں وہ آیات سنی ہیں: ''لَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ أَمْوَاتٌ، بَلْ أَحْیَاءٌ''۔ یعنی ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں''۔

اس لئے بھائی! ہمارے لئے تو سکون کی چیز یہ ہے کہ الحمد للہ! ہمارے شہداء جنت میں مزے کررہے ہوں گے، اللہ نے ان کو بہت اونچے درجات دیئے ہوں گے اور وہ پیچھے والوں کے لئے شاید دعائیں بھی کرتے ہوں گے۔ جن کو اتنا اونچا مقام ملتا ہے وہ پیچھے والوں کو بھولتے نہیں ہیں۔ اگر ہم ان کے راستے پر چلیں گے اور دین کے لئے مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ وہی برکات یہاں بھی نصیب فرمائے گا۔ بہرحال میں اتنی بات پر اکتفا کرتا ہوں اور ہمیں بہرحال نہ بیان آتا ہے، نہ اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں، غم تو ہے، **یاأسفیٰ علیٰ المفتی عبد المجید، ویاأسفیٰ علیٰ المفتی صالح ویاأسفیٰ علیٰ هذا الشاب ویاأسفیٰ علی الشیخ عطاء الرحمن رحمهم اللّٰه تعالیٰ**۔

# قرآن کریم کی تلاوت کے آداب!

مولانا غلام مصطفیٰ
فاضل و متخصص جامعہ بنوری ٹاؤن

(آخری قسط)

## پہلا ادب: عظمتِ قرآن کا استحضار

کلام اللہ کی عظمت، علوشان اور اس کے مرتبہ ومنزلت کا دل و جان سے اعتراف کرے اور یہ استحضار کرے کہ نزولِ قرآن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا ایک عظیم نمونہ ہے کہ اس نے عرش بریں سے اپنا کلام اپنے بندوں کی رشد وہدایت کے لئے اتارا، ورنہ اس کتاب کے روحانی بوجھ اور تجلی کا عالم یہ ہے کہ اگر عالم مثال میں ظاہر ہوجائے تو سخت ترین پہاڑ بھی اسے برداشت نہ کرسکیں۔

## دوسرا ادب: اللہ تعالیٰ (صاحبِ کلام) کا استحضار

دوسرے ادب کا تعلق صاحبِ کلام کی عظمت سے ہے۔ جب تلاوت کرنے والا تلاوت کرے تو اپنے دل میں متکلم (اللہ تعالیٰ) کی عظمت ورفعتِ شان کا استحضار ضرور کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے اور اس کی تلاوت کے بہت آداب وتقاضے ہیں۔ ہر دل اس کا اہل نہیں کہ قرآن کی حکمتوں اور اس کے عظیم الشان معانی کا بار گراں برداشت کرسکے، اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کا دل پاک اور عظمت وتوقیر کے نور سے منور ہو۔ حضرت عکرمہؓ جب قرآن پاک کھولتے تو بے ہوش ہوجاتے اور فرماتے ''ھذا کلام ربی، ھذا کلام ربی''. ''یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے''۔ کلام کی تعظیم دراصل متکلم کی تعظیم ہے اور متکلم کی تعظیم کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا، جب تک قاری اس کی صفات وافعال میں غور نہ کرے۔

## تیسرا ادب: حضورِ قلبی

تلاوت کرتے وقت انسان کا دل حاضر ہو، دیگر خیالات، سوچ وبچار میں دل مشغول نہ ہو۔ یہ ادب دراصل پہلے ادب کا نتیجہ ہے۔ اگر دل میں کلام وصاحب کلام کی عظمت ہوگی تو یہ صفت خود بخود پیدا ہوجائے گی، کیونکہ جب کلام کی عظمت ہوگی تو اُنسیت بڑھے گی اور یہ اُنسیت اُسے

غافل نہ ہونے دے گی۔

## چوتھا ادب: غور وفکر

یہ ہے کہ انسان آیاتِ قرآنیہ میں غور وفکر کرے۔ یہ حضورِ قلبی سے ایک الگ ادب ہے۔ بسا اوقات دل تو پوری طرح حاضر ہوتا ہے اور پڑھنے والا ہمہ تن تلاوت میں مشغول ہوتا ہے، لیکن غور نہیں کرتا، جبکہ تلاوت کا مقصد ہی تدبر ہے، اسی وجہ سے ترتیل مسنون قرار دی گئی ہے، کیونکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے سوچنے کا موقع ملتا ہے اور غور وفکر میں آسانی ہوتی ہے۔

## پانچواں ادب: ہر آیت کا مفہوم اخذ کرنا

یہ ہے کہ ہر آیت سے اس کے مطابق معنی ومفہوم اخذ کرے اور قوتِ فکر استعمال کرے۔ قرآن کریم مختلف مضامین پر مشتمل ہے: اس میں باری تعالیٰ کی صفات وافعال کا ذکر بھی ہے، انبیاء علیہم السلام کے حالات بھی ہیں اور ان اقوام سابقہ کے احوال بھی مذکور ہیں جنہوں نے پیغمبر کی تکذیب کی اور خدائے تعالیٰ کے اوامر ونواہی بھی ہیں اور ان ثمرات ونتائج کا ذکر بھی ہے جو اوامر ونواہی کی تعمیل پر مرتب ہوں گے۔

## چھٹا ادب: فہمِ قرآن سے مانع امور سے اجتناب

یہ ہے کہ قاری ان تمام امور سے خالی ہو جو فہمِ قرآن کی راہ میں مانع ہوں۔ گناہوں کا ارتکاب، کبر وغرور، طمع ولالچ میں مبتلا ہونا، دنیا کی محبت میں گرفتار ہونا، یہ تمام امور دل کو تاریک وزنگ آلود کردیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

''إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ''۔ (الزمر:۹)

ترجمہ: ......''وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں''۔

جو شخص دنیاوی خواہشات ومحبت میں مبتلا ہو اور ان اشیاء کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے، وہ صاحب عقل وفہم نہیں، اسی لئے ایسا شخص فہم وتدبرِ قرآن سے محروم رہتا ہے، اس پر کتاب اللہ کے اسرار ومعانی منکشف نہیں ہوتے۔

## ساتواں ادب: قرآنی خطاب کو اپنے لئے خاص سمجھنا

یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر خطاب کو اپنے لئے خاص سمجھے۔ جب کوئی آیتِ نہی یا آیتِ امر سامنے آئے تو یہ سوچے کہ مجھے ہی حکم دیا گیا ہے اور مجھے ہی منع کیا گیا ہے۔ وعد ووعید کی آیات تلاوت کرے تو اُنہیں اپنے حق میں فرض کرے۔ انبیاء علیہم السلام کے قصے پڑھے تو یہ سمجھے کہ یہاں

قصے مقصود نہیں، بلکہ ان سے سبق حاصل کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی آزمائش، صبر، نصرت اور ثابت قدمی کے جو واقعات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں، ان سے ہماری تعلیم اور اپنے دین پر ثابت قدمی مقصود ہے۔ قرآنی خطابات کو اپنے لئے فرض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کسی ایک شخص کے لئے نازل نہیں ہوا، بلکہ تمام دنیا کے لئے شفاء، ہدایت، رحمت و پیغام خداوندی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو نعمتِ کتاب پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ". (البقرۃ:۲۳۱)

ترجمہ:...... "اور حق تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ نے تم پر (اس حیثیت سے) نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعے نصیحت فرماتے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ". (آل عمران:۱۳۸)

ترجمہ:...... "یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے"۔

معلوم ہوا کہ تمام لوگ قرآن کے مخاطب ہیں، اس اعتبار سے یہ خطاب تلاوت کرنے والوں سے بھی ہے، اس لئے ہر شخص کو فرض کرنا چاہئے کہ قرآن کا مقصود میں ہوں۔

## آٹھواں ادب: تأثرِ قلبی

یہ ہے کہ قرآنی آیات سے متأثر ہو۔ جس طرح کی آیت تلاوت کرے، اس طرح کا تأثر دل میں ہونا چاہئے۔ اگر آیتِ خوف ہے تو خوف طاری کرے اور آیتِ حزن ہے تو غمگین ہو جائے، آیتِ رجاء ہے تو امید کی کیفیت پیدا کرے، جب جنت کا ذکر ہو تو دل میں اس کا شوق پیدا ہونا چاہئے، دوزخ کے بیان پر دل میں خوف کی کیفیت پیدا ہونی چاہئے، چنانچہ روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا: قرآن سناؤ! حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی، جب میں اس آیت پر پہنچا:

"فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْداً". (النساء:۴۱)

ترجمہ:...... "سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لائیں گے"۔

تو آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: "أمسک

الآن‘‘، ’’اب ٹھہر جاؤ‘‘۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی یہ کیفیت اس لئے پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک پوری طرح اس منظر کے مشاہدے میں مصروف تھا، بعض لوگ وعید وانذار کی آیات تلاوت کرتے وقت بے ہوش ہوجاتے تھے اور ایسے بھی گزرے ہیں جو اس طرح کی آیات سنتے ہوئے انتقال کرگئے۔

الغرض مؤمن کو تلاوت کے دوران ہر آیت کے مضمون کے مطابق اس طرح تأثر لینا چاہئے کہ اس کے ظاہر وباطن پر وہ اثر محسوس بھی ہو۔

## نواں ادب: تصوّرِ متکلم (اللہ تعالیٰ)

یہ ہے کہ تلاوت میں اتنی ترقی وکمال حاصل کرے کہ گویا اپنے بجائے خود متکلم سے اس کا کلام سن رہا ہے، پڑھنے کے تین درجات ہیں:

۱...... ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ یہ تصور کرے کہ میں باری تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا تلاوت کررہا ہوں اور باری تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔

۲...... دوسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ احساس کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں اور اپنے لطف وکرم سے اسے مخاطب کررہے ہیں اور اپنے انعام واحسان کا ذکرفرمارہے ہیں۔

۳...... تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم کا اور کلمات میں صفات متکلم کا مشاہدہ کرے، اپنے اوپر اور اپنی قرأت پر نظر نہ رکھے، بلکہ فکر وخیال کا مرکز باری تعالیٰ کی ذات ہونی چاہئے، گویا وہ متکلم کے مشاہدے میں اس قدر مشغول ہے کہ اس کے علاوہ ہر شئے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے۔

## دسواں ادب: خود کو ہیچ سمجھنا

یہ ہے کہ طاقت وقوت سے برأت کرتا رہے اور کسی بھی لمحہ اپنے نفس کو اہمیت نہ دے، مثلاً قرآن پاک کی وہ آیات پڑھے جن میں نیک بندوں کی مدح کی گئی ہے تو یہ خیال نہ ہو کہ میں بھی ان میں شامل ہوں، بلکہ یہ سمجھے کہ یہ درجہ تو بہت بلند ہے اور اونچے لوگوں کا ہے، ان نیک بندوں میں اپنی شمولیت کی امید رکھتے ہوئے پڑھے اور جب وہ آیات پڑھے جن میں گناہ گار بندوں کا ذکر ہے اور عذاب سے ڈرایا گیا ہے تو یہ سمجھے کہ ان آیات کا میں بھی مخاطب ہوں۔ اس موقع پر خدا کے غضب سے ڈرے اور فسق وفجور، کفر وشرک میں مبتلا ہونے سے خدا کی پناہ مانگے۔ جو شخص دوران تلاوت اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھے اور یہ خیال کرے کہ میں سرتاپا تقصیر ہوں تو اسے خدا کا قرب نصیب ہوگا، جب قربِ خداوندی نصیب ہوا تو تلاوت کا مقصود بھی حاصل ہوگیا۔

# جناب جاوید غامدی صاحب کی دین فہمی اور اُن کے خودساختہ اُصول (ایک نظر میں)

جناب سید خالد جامعی صاحب
ڈائریکٹر شعبۂ تصنیف، جامعہ کراچی

''جناب غامدی صاحب کی دین فہمی اور اُن کے خودساختہ اُصول'' جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف کے ڈائریکٹر سید خالد جامعی صاحب نے جمع وترتیب دیئے ہیں، جس میں غامدی صاحب کی مختلف تحریرات وتقریرات کے ذریعہ ان کی فکری بے راہ روی کو خود اُن کے پیش کردہ شواہد وقواعد سے شریعت وحقیقت سے جدا بتایا ہے۔ قارئین کو یہ فکر وتدبر کا موقع دیا گیا ہے کہ جس انسان کی فکر اس قدر غیر متوازن ہو کہ اُسے خود اپنے کئے اور کہے پر گرفت نہ ہو، اُس کی دین فہمی اور شریعت بیانی کس پائے کی ہوگی؟ اور اُس کے مخزنِ فکر کی طبی حالت کیا ہوسکتی ہے؟ غور کا مقام ہے۔ موصوف صاحبِ قلم کی یہ بنیادی فکر، غامدی صاحب کے ذکری اضطراب کی زد میں آنے والے مسلمان بھائیوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اس دعوتِ فکر کو افادۂ عام وخاص کے لئے پیش کرنا مفید معلوم ہوا، اس لئے نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ **(ادارہ)**

**۱:......کسی فکر کی درستگی کا پیمانہ، اصول، منہاج، فرقان، دینی فکر' امت کی علمی روایت سے مطابقت رکھتی ہو اور امت کے اجتماعی تعامل کے مطابق ہو۔** (پرویز صاحب کا فہم قرآن، غامدی صاحب کی تقریر، ص: ۴۸۔ دارالتذکیر ۲۰۰۴ء)

**۲:......سنت قرآن کے بعد نہیں، بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔** (میزان ص: ۵۲، طبع دوم ۲۰۰۲ء)۔

**۳:......قرآن کی دعوت جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے ۱:...... دین فطرت کے حقائق۔ ۲:......سنت ابراہیمی۔ ۳:......اور قدیم صحائف ہیں۔** (میزان ص: ۴۸ طبع دوم ۲۰۰۲ء) **(یعنی چوتھے نمبر پر قرآن آئے گا اور فطرتِ انسانی ماخذ شریعت ہے)۔**

**۴:......خیر وشر کی کسوٹی انسان: دین میں معروف ومنکر کا تعین فطرتِ انسانی کرتی ہے۔** (میزان ص: ۴۸، ۴۹، طبع دوم ۲۰۰۲ء) **یعنی انسان شارع ہے۔**

**۵:...... نیا اصول:** نبیؐ کی رحلت کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (اشراق دسمبر ۲۰۰۰ء ص: ۵۴۔۵۵ بحوالہ غامدی صاحب کا مذہب کیا ہے؟ رفیق اختر)

**۶:......شارع فرد خود ہے،** زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔ (قانون عبادات، ص:۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ء)

**۷:......واحد ماخذ:** ''دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمدؐ کی ذات والاصفات ہے''۔ (میزان، ص:۹، طبع دوم ۲۰۰۲ء)

**۸:......دین کے ماخذ دو ہیں:** ۱:......قرآن مجید۔ ۲:......سنت۔ (میزان، ص:۹، طبع دوم ۲۰۰۲ء)

**۹:......فطرت شارع ہے۔** حلال وحرام جانور کا تعین فطرت انسانی کرتی ہے، اسی لئے شیر، چیتے، ہاتھی، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دسترخوان کی لذت کے لئے نہیں، یہ سواری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ (میزان، ص: ۳۷ محولہ بالا)۔ (حضور ﷺ اونٹ کیوں کھاتے تھے؟ یہ تو سواری کا اصل جانور ہے؟؟؟) نشہ آور چیزوں کی غلاظت کو سمجھنے میں بھی اس کی عقل عام طور پر صحیح نتیجے پر پہنچتی ہے، چنانچہ خدا کی شریعت نے اس معاملے میں انسان کو اصلاً اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے، انسان کی فطرت کبھی کبھی مسخ ہو جاتی ہے، لیکن ان کی ایک بڑی تعداد اس معاملے میں بالعموم غلطی نہیں کرتی۔ (میزان، ص:۳۱۰)

**۱۰:......عقل وفطرت کامل رہنما نہیں:** ''کچھ جانوروں کی حلت وحرمت کا فیصلہ تنہا عقل وفطرت کی رہنمائی میں انسان کے لئے ممکن نہیں، لہٰذا ان کی ممانعت شریعت نے کی ہے''۔ (میزان، ص:۳۷، طبع دوم ۲۰۰۲ء)

**۱۱:......تغیر دوامی:** ''اصول دین کے ماخذات مستقل نہیں ہوتے، متغیر ہوتے ہیں۔ ان میں اصلاح، کمی بیشی، ترمیم وتنسیخ کا عمل جاری رہتا ہے، رہ سکتا ہے، ماخذات کے لئے معین اصطلاحات لفظاً ظاہراً مستقل ہوتی ہیں، جیسے قرآن وسنت، لیکن ان کے مطالب ومفاہیم بدل سکتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں''۔ (اس اصول کے لئے جناب غامدی صاحب کی درج ذیل کتب کا تقابلی مطالعہ کیجئے: میزان، جلد اول ۱۹۸۵ء۔ میزان، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء۔ اصول ومبادی ۲۰۰۰ء۔ میزان ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء، مقامات ۲۰۰۶ء۔ مقامات ۲۰۰۸ء۔ قانون دعوت ۱۹۹۶ء۔ پرویز صاحب کا فہم قرآن، خطاب جاوید غامدی، ۲۰۰۴ء دارالتذکیر، لاہور۔ اس کے سوا بقیہ کتب غامدی صاحب نے خود شائع کی ہیں۔)

**۱۲:......اصل الاصول ارتقاء:** غامدی صاحب کے یہاں ماخذات دین میں تغیر وتبدل کا اصول فہم کا ارتقاء ہے۔ جب بھی کوئی خیر، حق واضح ہو جائے گا، اس سے رجوع کر لیا جائے گا۔ اس اصول کے تحت سنت میں پہلے داڑھی شامل تھی، پھر وہ نکل گئی۔ سنتیں ۱۹۹۷ء میں ۲۷ تھیں۔ (اسلام کیا ہے؟) دانش سرا کے صدر ڈاکٹر فاروق کی کتاب اشاعت ۱۹۹۹ء میں سنتوں کی تعداد ۳۹ ہے۔ اصول ومبادی مقدمہ میزان تالیف غامدی صاحب سن ۲۰۰۰ء میں سنتوں کی تعداد چالیس ہے۔ میزان طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء میں سنتوں کی تعداد صرف ۲۷ ہے۔ جون ۱۹۹۱ء کے اشراق ص: ۳۲ کے مطابق داڑھی بھی سنت تھی۔ ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۸ء میں داڑھی سنت سے نکل گئی۔ مئی ۱۹۹۸ اشراق ص: ۳۵ پر سنتوں کی تعداد چالیس تھی۔ فروری ۲۰۰۵ء

میں اصول و مبادی طبع ہوئی تو اس میں سنتوں کی تعداد صرف ۱۸ رہ گئی، پھر ۲۶ رہ گئی، سنتوں کی تعداد نہایت تیزی سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس کی کوئی دلیل بھی ہماری نظر سے نہیں گزری۔

''میزان''، ''اصول و مبادی''، ''سنت کیا ہے ؟'' جیسے تمام کتابچوں اور اشاعتوں میں ۱۹۹۷ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک نومولود کے کان میں اذان کو سنت شمار کیا گیا تھا، لیکن جب عامر گزدر صاحب نے مؤطا امام مالکؒ سے اس کی کراہت کی دلیل پیش کی اور معز امجد اور خالد ظہیر صاحب نے بھی اس دلیل سے اتفاق کیا تو غامدی صاحب نے میزان ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں اس سنت کو بھی خارج کر دیا، لیکن ارتقاء کے اصول کا ماخذ معلوم نہیں ہو سکا۔

غامدی صاحب کو اس سلسلے میں مدیر ساحل نے ان کے فلسفۂ ارتقاء پر ایک خط لکھا جو ساحل میں شائع ہوا، مگر انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا، لیکن ارتقاء کا اصول ان کے یہاں اصل الاصول ہے، مثلاً حدود و تعزیرات طبع اول، اگست ۱۹۹۵ء میں ص: ۱۱ پر غامدی صاحب نے خدا اور اس کے پیغمبروں کے بارے میں سب و شتم کو محاربہ اور فساد فی الارض کے زمرے میں شامل کیا تھا اور مجرموں کو واجب القتل قرار دیا تھا، لیکن میزان طبع دوم ۲۰۰۲ء میں محاربہ اور فساد فی الارض کے جرائم کی فہرست میں سے غامدی صاحب نے شتم خدا اور رسول کو فہرست سے ہی خارج کر دیا ہے۔ میزان ۲۰۰۸ء میں بھی یہ جرائم جدید فہرست سے خارج ہی رہے، مگر اشراق مئی جون ۲۰۱۱ء میں دوبارہ توہین رسالت کی سزائے قتل کو محاربہ اور فساد فی الارض کے زمرے میں شامل کر دیا، مگر توہین خدا کے بارے میں حضرت والا نے کوئی رائے نہیں دی۔

مسجد میں حاکم کا خطبہ سنت تھا، نبیؐ نے جو سنت ان کے بارے میں (ہماری مسجدیں) قائم کی، وہ یہ تھی کہ نماز جمعہ کا خطاب اور اس کی امامت امیر ریاست اور اس کے عمال کریں گے۔ (ص: ۱۸۷، مقامات، طبع اول ۲۰۰۸ء) اس سنت کا ذکر میزان ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء میں سنتوں کی فہرست میں نہیں ہے، ارتقاء ہو گیا یا رجوع۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن وسنت کی رو سے ان (غیر مسلم شہری) کی دو واضح اقسام ہیں: ایک ذمی، دوسرے معاہد۔ (مقامات، ص: ۱۳۳، ۲۰۰۶ء) بعد میں سنتوں کی فہرست سے ذمی معاہد کا ذکر غائب ہے۔ اسی طرح بیعت، دعوت، ہجرت، حدود و تعزیرات بھی پہلے قرآن وسنت کے دائرے میں داخل تھے، بعد میں سنت کے دائرے سے خارج ہو گئے۔

۱۳:...... پہلا ماخذ: ''دین کا سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہے، قرآن مجید کے بعد دوسرا ماخذ حدیث وسنت ہے۔ دین میں یہی دو چیزیں اصل حجت ہیں''۔ (مقامات، طبع اول ۲۰۰۸ء، ص: ۱۷۸، المورد لاہور)

۱۴:......قرآن کی ایک آیت کا صرف ایک ہی مطلب ہوتا ہے، ایک سے زیادہ مطالب ہوں تو قرآن چیستان بن جائے گا۔ (برہان ۱۹۹۲ء، برہان ۲۰۰۶ء، میں طاہر القادری صاحب پر تنقید کا مطالعہ کیجئے، جہاں اس دلیل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے)۔

غامدی صاحب ۲۰۰۶ء تک اقدامی جہاد کے قائل تھے، اس کی دلیل قرآن سے لاتے تھے۔ (دین حق، ص: ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء المورد، لاہور) بعد میں اقدامی جہاد قرآن کی جدید تشریح کے باعث ختم ہو گیا۔

المورد کے زیر اہتمام ۱۹۹۷ء میں شائع شدہ کتابچے قانون معیشت میں ص: ۵۶ پر غامدی صاحب کا موقف تھا کہ ''اللہ کی طرف سے وارثوں کے حصے متعین ہونے کے بعد کسی وارث کے لئے وصیت اب جائز نہیں، ورثاء کے بارے میں مبنی بر عدل قانون وہی ہے جو اس نے خود بیان فرمایا (یعنی غیر وارث کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے، لیکن اس سے متعین وارث پر اثر نہیں پڑے گا) یہاں علتِ حکم منفعت ہے، اگر وارث و مورث میں سے کوئی دین بدل لے اور وارث اپنے مورث کو قتل کر ڈالے تو منفعت کا قاعدہ لاگو نہ ہوگا۔ (لیکن قرآن و حدیث و سنت سے اس استدلال کے بعد اب مقامات ۲۰۰۸ء میں غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ مورث کسی کے حق میں بھی پوری جائیداد کی وصیت کرسکتا ہے) قرآن نے وصیت کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی، جائیداد وصیت پوری کرنے کے بعد تقسیم کی جائے گی، لہٰذا وصیت کی حد پر قرآن کی آیت کی روشنی میں پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ (ص:۱۴۱ مقامات، ۲۰۰۸ء) حتی کہ وارثوں کے حق میں بھی ان کی ضرورت، خدمت یا اسی نوعیت کی کوئی دوسری چیز تقاضا کرے تو وصیت یقیناً ہوسکتی ہے، مثلاً بچوں میں سے کسی نے والدین کی زیادہ خدمت کی، کوئی بچہ اپنے پیر پر کھڑا نہیں ہے۔ وصیت وارثوں کے حق میں بھی ہوسکتی ہے، اس میں کوئی چیز مانع نہیں۔ (ص:۱۴۲، مقامات ۲۰۰۸ء)

پہلے قرآن کی ہی آیت سے وارث کے حق میں وصیت کا انکار کیا گیا اور سنت اور اجماع کی روشنی میں وصیت کی تحدید کی گئی، اب اسی آیت سے ورائے حدود وصیت کا حکم ثابت کردیا گیا کہ کل جائیداد کسی کو بھی دے دو- ورثاء کو محروم کردو-۔

احکاماتِ حجاب کے سلسلے میں بھی قرآن کی آیتِ حجاب کے معانی بدلتے رہے ہیں۔ (تفصیلات کے لئے میزان حصہ اول ۱۹۸۵ء، اشراق کی فائلیں، تقاریر، ڈاکٹر فاروق خان کی کتابیں، اسلام کیا ہے؟ وغیرہ پڑھ لیجئے)

ایک ہی آیت سے مختلف احکامات اخذ کئے جارہے ہیں اور امام اصلاحی کی تشریحات کو بھی قبول نہیں کیا جارہا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں وہ حجاب کے قائل تھے، لکھتے ہیں: چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں وہ قرآن مجید کی صریح ہدایت کے مطابق سر کی اوڑھنی سے اپنا سینہ ڈھانپ کر اور زیب و زینت کی نمائش کئے بغیر کم ہی سامنے آتی ہے۔ (برہان ص:۹۳)

۱۹۹۲ء میں سر کی اوڑھنی اور اس سے سینہ ڈھانپنا قرآن سے ثابت تھا، ۲۰۰۸ء میں مقامات کی نئی اشاعت میں اوڑھنی قرآن سے ہی غیر ثابت ہوگئی اور صرف اسلامی روایت کی شکل رہ گئی۔ جب غامدی صاحب اپنے ہی اصول کے برعکس قرآن کی ایک ہی آیت سے مختلف مفاہیم نکال رہے ہیں تو قرآن چیستان بن گیا، چیستان ماخذ دین کیسے ہوسکتا ہے؟۔

۱۹۸۵ء میں میزان حصہ اول میں رضاعت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے خواتین کے پردے پر قرآن کی آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ سورۂ نور میں پردے کے احکامات عام عورتوں پر گھر میں نافذ العمل

ہوں گے، بعد میں ان آیات کا مفہوم ہی بدل گیا۔۱۹۷۵ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک غامدی صاحب کا موقف تھا کہ قرآن کریم سے خواتین کے چہرے کا پردہ گھر اور محفوظ مقامات میں نہیں، بلکہ گلی، بازار اور غیر محفوظ مقامات پر ہے۔ ان کی تقاریر سن لی جائیں اور ان کے ادارے دانش سرا، دار الاشراق سے شائع ہونے والی کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' کی ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۰ء تک کی اشاعتیں پڑھ لیں، سب میں یہی لکھا ہے۔ ''میزان'' اسی کتاب کی آخری شکل ہے۔ ''اسلام کیا ہے؟'' کی عبارت، دلائل، الفاظ تک میزان میں حرف بہ حرف موجود ہیں۔

سورۂ نحل کی آیت: ۴۴ سے غامدی صاحب میزان ۲۰۰۸ء، میزان ۲۰۰۲ء، وغیرہ میں سنت ابراہیمی کا وجوب ثابت کررہے ہیں، جو کبھی ۱۷ رکبھی ۲۷ رکبھی ۴۰ رکبھی ۱۹ رکبھی ۲۶ ر ہیں، لیکن برہان ۲۰۰۶ء میں قرآن کی اسی آیت سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول کی سنت قرآن کی تبیین کرسکتی ہے، گویا تبیین پیغمبر کی ذمہ داری ہے۔ سنت ہر اس معاملے میں جس میں قرآن مجید خاموش ہے، بجائے خود ماخذ قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ (ص: ۳۸ تا ۴۱، برہان ۲۰۰۶ء) بعد میں اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سنت' دین ابراہیمی کی روایت ہے، سنت سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا ہرگز اضافہ نہیں ہوتا۔ (ص: ۱۱، میزان ۲۰۰۲ء) سنت صرف رسوم وآداب کا نام ہے، سنت قرآن سے مقدم ہے، سنت دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر عرب میں رائج تھی، چند چیزوں کے سوا آپ نے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا، یہ تواتر عملی سے امت کو منتقل ہوئی ہے، ان کا ماخذ اجماع امت ہے۔ (رسوم وآداب، ص: ۳۲۱، میزان ۲۰۰۲ء)

سورۂ نحل کی ایک آیت سے غامدی صاحب نے دو مختلف مطالب اخذ کرلئے تو کیا قرآن ماخذ رہ گیا؟ مقامات ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۸ء میں حکمرانوں کا عام آدمی کا معیار زندگی رکھنا سنت تھا، قانون معیشت ۱۹۹۷ء میں یہ صرف نمونہ رہ گیا، سنت کے دائرے سے خارج ہوگیا۔ (ص: ۴۵، قانون معیشت ۱۹۹۷ء المورد، لاہور)

۲۰۰۶ء کے برہان میں وہ لکھتے ہیں: ''قرآن مجید کوئی چیستان نہیں ہے کہ اس کی ہر آیت دو یا تین متضاد مفاہیم کی حامل قرار دی جائے''۔ (ص: ۲۵۵، ارباب منہاج القرآن کی خدمت میں)

غامدی صاحب کے اپنے اصول کی زد میں خود غامدی صاحب بھی آجاتے ہیں۔ غامدی صاحب نے آیت وصیت ومیراث کی تشریح میں لکھا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے وصیت میں ضرر رسانی کو روکنے کے لئے اصل وارثوں کے حصے خود مقرر فرمادیئے ہیں۔ اُس کا بندہ جانتے بوجھتے کسی حق دار کو محروم کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ اس کے ہر فعل سے باخبر ہے۔ (میزان حصہ اول ۱۹۸۵ء، ص: ۵۷، ۵۸) لیکن مقامات ۲۰۰۸ء میں حضرت والا لکھتے ہیں کہ: مورث کسی کو بھی پوری میراث کی وصیت کرسکتا ہے اور متعین وارثوں کے حق میں بھی یا ان کے متعین حصے کے سوا وصیت لکھ سکتا ہے۔ (ارتقاء ہوگیا شاید)

پردہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''رہی حدیث سالم تو اس کی تاویل میرے نزدیک رفع حرج کے اصول پر کی جانی چاہیئے''۔ (سالم کی گھر میں آمد پر خواتین کو پردے میں مشکلات پیش آئیں اور سورۂ

نور کے احکامات حجاب پر عمل کا مسئلہ پیدا ہوا تو غامدی صاحب اس کی تشریح کر رہے ہیں) کسی گھرانے کی خواتین اگر حجاب کے ان حدود کی پابندی کرنا چاہیں جو سورۂ نور میں بیان کئے گئے ہیں، رفع حرج کے اصول کی بناء پر اسے عام قانون سے مستثنیٰ کیا جائے گا، تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ اس کی حیثیت ایک رخصت کی ہوگی، اصل قانون وہی رہے گا جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ (ص:۷۵، میزان ۱۹۸۵ء)

۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۷ء تک غامدی صاحب آیاتِ حجاب، پردہ سے متعلق موضوعات پر اجماعِ امت، تعاملِ امت کے قائل تھے، اب ان آیات کی نئی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ آیت کے دونوں مفہوم بالکل مختلف ہیں۔ خود وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت کا ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے، مگر خود کبھی دو، کبھی چار، کبھی سات مطالب بتاتے ہیں۔

طاہر القادری صاحب نے جب قرآن کی ایک آیت کے کئی مطالب بتائے تو غامدی صاحب نے لکھا ''آدمی کی عربی خام ہو اور اس کا ادبی ذوق پست ہو یا وہ سیاق وسباق کی رعایت ملحوظ رکھے بغیر قرآن کی ہر آیت کو الگ الگ کر کے اس کا مدعا سمجھنے کی کوشش کرے تو یہ البتہ ممکن ہے، لیکن عربیت کے کسی جید عالم اور قرآن کے کسی صاحب ذوق شارح سے یہ چیز کبھی صادر نہیں ہوسکتی۔ یہ کوئی علم نہیں کہ آپ کسی آیت کے دو یا تین یا اس سے زیادہ معنی بیان کر دیں، بلکہ علم درحقیقت یہ ہے کہ آپ تمام احتمالات کی نفی کر کے زبان وبیان کے قابل اعتماد دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر دیں کہ آیت جس سیاق وسباق میں آئی ہے، اس میں اس کا یہی ایک مفہوم ممکن ہے، تاکہ اللہ کی یہ کتاب فی الواقع، ایک میزان کی حیثیت سے اس اُمت کے سامنے آئے اور اس طرح تشت وافتراق کے بجائے یہ اس امت کے لئے فصلِ نزاعات اور وحدتِ فکر وعمل کا ذریعہ بنے''۔ (برہان،۱۹۹۲ء،ص:۴۵،۴۶)

غامدی صاحب کے ان اصولوں کی روشنی میں جو طاہر القادری صاحب کے لئے بیان ہوئے، اگر ہم محترم غامدی صاحب کو پرکھیں تو کیا ہم نہایت ادب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ عربیت کے جید عالم ہیں، نہ قرآن کے صاحب ذوق شارح۔ قرآن کی آیت کے کئی مطالب بتانے سے امت تشت وافتراق میں مبتلا ہوگی، قرآن وحدت فکر وعمل کا ذریعہ نہ بن سکے گا؟۔ ہم اس گستاخی پر معذرت خواہ ہیں۔

**۱۵:......کلام عرب قرآن کے فہم کا واحد دروازہ ہے:** ''قرآن کی ہدایت کے غوامض اور اسرار جو بھی ہوں، ان کا دروازہ بہرحال زبان ہی ہے، یعنی اس کے شہرستانِ معانی میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ ہے، وہ زبان ہے۔ اس کے اصول وقواعد وہ ایک حاکم کی حیثیت سے موجود رہیں گے۔ اگر کوئی شخص اس دروازے کے سوا کسی اور دروازے سے داخل ہونا چاہے گا تو ظاہر ہے وہ کہیں اور چلا جائے گا، اس پر کتاب کا مدعا کبھی واضح نہ ہوگا، زبان کے سوا کوئی اور دروازہ نہیں ہے۔ (ص:۲۵ پرویز صاحب کا فہم قرآن، خطاب غامدی، مقدمہ خورشید ندیم ۲۰۰۴ء، دار التذکیر، لاہور) غامدی صاحب کے اس اصول کی مزید تفصیلات کے لئے میزان کا ''باب اصول ومبادی'' کا مطالعہ کیجئے، یعنی نص کا تعین، فہم، ادراک صرف کلام عرب اور شعر جاہلیت پر منحصر ہوگیا۔

۱۶:......اجماع امت (جو انتقال علم کا ذریعہ ہے)''سنت صحابہؓ کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے''۔(ص:۱۰میزان طبع دوم۲۰۰۲ء)

امت کا اجماع جن مسائل پر ہے، غامدی صاحب ان کو حجت نہیں مانتے، آخر کیوں؟

۱۷:......عقل:''سارا دین عقل پر مبنی ہے، ہماری عقل بہت سے دینی حقائق خود دریافت نہیں کرسکتی، دین عقل سے ماوراء کوئی ہدایت عقل کو نہیں دیتا''۔(ص:۱۶۵تا۱۶۷، مقامات سن ۲۰۰۸ء) ایمان بالغیب کا مطلب ہے کہ وہ حقائق جو آنکھوں سے نہیں دیکھے جاسکتے، انہیں محض عقلی دلائل کی بنا پر مان لینا۔ (مقامات ص:۱۲۵، سن ۲۰۰۸ء) غامدی صاحب کہتے ہیں کہ عقل و دانش پہلی وحی ہے۔

۱۸:......صحابہؓ کا اجماع، صحابہؓ کا عملی اور قولی تواتر:''قرآن صحابہؓ کے قولی تواتر سے ملا ہے، سنت صحابہؓ کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے''۔(ص:۱۰میزان طبع ۲۰۰۲ء)

۱۹:......ایک اہم اصول رجوع کا منفرد طریقہ:(تاریخ کا صرف انکار نہیں، تاریخ کو ختم کرنے، مٹانے کی کوشش) غامدی صاحب کی کتاب''درس قرآن'' مقرر جاوید احمد غامدی مجلد، صفحات:۸۰، مولود احمد شاہد صاحب نے المورد کے ذیلی ادارے میکروو‌ژن کی جانب سے شائع کی، مگر اچانک کتاب بازار سے اٹھالی گئی، کیوں؟ مقامات ۲۰۰۶ء کی اشاعت کے ساتھ بھی یہی ہوا، اس کتاب کے تین حصے تھے، عربی اور انگریزی۔ ساحل نے عربی حصے کو اغلاط کا دفتر اور انگریزی حصے کی شاعری کو بڑے شعراء کی شاعری کا سرقہ ثابت کیا تو کتاب غائب کرادی گئی۔ یہ بھی غامدی صاحب کا ایک اصول ہے۔(یہ ارتقاء تھا یا رجوع یا تاریخ کا انکار؟)

اس کتاب کو بازار سے غائب کرانے کے بعد اسی نام سے نئی کتاب مقامات کے نام سے طبع کی گئی، جس سے عربی انگریزی حصے نکال دیئے گئے اور اس پر لکھا گیا طبع اول سن:۲۰۰۸ء۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ۲۰۰۸ء کے مقامات میں غامدی صاحب کا ۲۰۰۷ء کا ایک مضمون ص:۲۸ پر درج ہے، جس میں لکھا ہے کہ ''برہان، مقامات اور خیال وخامہ شائع ہوچکی ہیں، جبکہ صفحہ:۲۹ پر اس مضمون کی تاریخ اشاعت ۲۰۰۷ء درج ہے، یہ اشراق میں ۲۰۰۷ء میں شائع ہوچکا ہے، جبکہ جس کتاب''مقامات'' میں یہ مضمون درج ہے، اس پر لکھا ہے طبع اول ۲۰۰۸ء۔ اس سے غامدی صاحب کا انوکھا اصول سامنے آتا ہے یعنی التباس پیدا کردینا۔

۲۰:......ایک اہم اصول اپنی تاریخ کا خود انکار: غامدی صاحب کی کتاب''قانونِ معیشت'' ۱۹۹۷ء میں المورد نے شائع کی تو اس کے آخر میں ان کی کتابوں کی فہرست میں الاشراق (عربی) الملک الناس (زیر طبع) کا اشتہار دیا گیا، اس سے پہلے غامدی صاحب کی کتاب''قانونِ دعوت'' جو ۱۹۹۶ء میں المورد نے شائع کی، اس کے آخر میں درج تصانیف میں الاشراق [عربی] الفاتحہ [زیر طبع] کا اشتہار دیا گیا تھا، لیکن مقامات ۲۰۰۸ء کے ص:۲۷، ۲۸ پر غامدی صاحب نے اپنی تصانیف زیر طبع، زیر تسوید، مجوزہ کی جو فہرست اپنے قلم سے تحریر کی ہے، اس میں عربی تفسیر''الاشراق'' کا ذکر سرے سے غائب ہے۔

یہ رویہ بھی فکر غامدی کا ایک اہم اصول ہے۔ اپنی ہی تاریخ، تصنیف وتحریر کا انکار واخراج، ان کے فکر کے محاکمے میں یہ اصول کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ جب عربی زبان میں کتاب لکھ لی گئی، ۱۹۹۶ء میں طباعت کے لئے تیار تھی تو ۲۰۰۸ء میں کتابوں کی فہرست سے اس کو کیوں نکال دیا گیا؟۔

**۲۱:**......اپنے ارتقاء کا انکار یا اخفاء: میزان حصہ اول کی پہلی اشاعت ۱۹۸۵ء میں، دوسری اشاعت اپریل ۲۰۰۲ء میں اور تیسری اشاعت ۲۰۰۸ء میں آئی، لیکن کسی پر یہ درج نہیں ہے کہ یہ اضافہ شدہ، ترمیم شدہ، تبدیل شدہ، نظر ثانی شدہ اشاعت ہے۔ درمیان میں میزان کے ابواب، اصول ومبادی، قانون معیشت، حدود و تعزیرات، قانون سیاست، کے نام سے ۱۹۹۳ء، سے لے کر ۲۰۰۵ء تک وقتاً فوقتاً شائع ہورہے ہیں اور ہر کتابچے میں موقف پارۂ سیماب کی طرح بدلتا رہا، لیکن کسی اشاعت پر نظر ثانی شدہ اشاعت درج نہیں کیا گیا، اس رویے کی توجیہ ہم نہیں کرسکتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ رویہ آخر کیوں؟ حالانکہ ہر اشاعت پہلی سے یکسر مختلف ہے، ان کی آراء بدلتی رہتی ہیں، اصولاً اس کا اظہار کتاب پر کرنا اخلاقی تقاضا ہے۔ اس رویے کو ہم غامدی صاحب کے ایک اصول کے طور پر قبول کرتے ہیں، جس سے ان کے علمی رویے کا اندازہ ہوتا ہے۔

**۲۲:**......تاریخ کا انکار اور صرف اپنے منبع علم، فہمِ نفس پر کامل اعتبار و اعتماد۔ (یہ غامدی صاحب کا اہم ترین اصول ہے)۔

**۲۳:**......قدیم صحف: ''قرآن کے اسالیب و اشارات (یہود و نصاریٰ کی تاریخ وغیرہ وغیرہ) سمجھنے کے لئے قدیم صحیفے ہی اصل ماخذ ہوں گے''۔ (میزان، ص:۵۲، طبع دوم ۲۰۰۲ء) یعنی قرآن صرف قرآن یا صاحب قرآن یا صحابہ کرامؓ کے ذریعے نہیں سمجھا جاسکتا، اس کا درست فہم محرف صحائف پر ہی منحصر ہے اور ان منسوخ صحائف سے ملنے والا فہم ہی معتبر ہے، اس کے سوا اعتبار کا کوئی ذریعہ نہیں۔ کیا صحابہؓ نے فہم قرآن اس طرح حاصل کیا؟ اس ذریعے سے مستشرقین کو جو فہم حاصل ہوگا، کیا وہ تام ہوگا؟ جبکہ غامدی صاحب کا اصول جو پرویز صاحب پر نقد کرتے ہوئے انہوں نے وضع کیا، یہ تھا کہ پرویز کی تعبیر نہ علمی ہے، نہ امت کے اجتماعی تعامل کے مطابق ہے۔ (پرویز صاحب کا فہم قرآن ص:۴۸ دار التذکیر ۲۰۰۴ء)

**۲۴:**......تاریخ: غامدی صاحب کی سنت ابراہیمی کا علم تواتر عملی سے منتقل ہوتا ہے، لیکن بدعات بھی اس ذریعے یعنی تواتر عملی سے ملتی ہیں، پھر سنت و بدعت میں فرق کیسے کیا جائے گا؟ اس کا جواب غامدی صاحب کے پاس ہے- تاریخ-''بے شک بہت سی بدعات رائج ہوگئیں، بے عملی بڑھ گئی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی ساری تاریخ کا واضح ریکارڈ موجود ہے۔ کیا اصل ہے؟ کیا اختراع ہے؟ یہ سب امت کے سامنے ہے۔ (ماہنامہ اشراق نومبر، ۱۹۹۹ء ص:۵۳) یہاں غامدی صاحب کا ماخذ تاریخ ہے، لیکن غامدی صاحب خبر واحد کو ماخذ دین نہیں مانتے، لیکن تاریخ کو کیسے مان لیتے ہیں؟۔ ائمہ اربعہؒ میں مسائل پر اختلاف تواتر عملی کی وجہ سے نہیں، بلکہ دلیل اپنے موقف کی تائید کے لئے وہ خبر سے پیش کرتے تھے، یعنی اصل دلیل خبر ہے۔

۲۵:......سنت آدمؑ: غامدی صاحب کی سنتوں میں قربانی اور تدفین بھی شامل ہے، لیکن یہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے کی سنت ہے۔قرآن نے ہابیل قابیل کے حوالے سے دونوں سنتوں کا ذکر کیا ہے۔(المائدۃ:۲۷تا۲۹) اسے سنت ابراہیمی کہنا کیا درست ہے؟ لہٰذا سنت آدمؑ بھی ماخذ ہے۔

۲۶:......تمام انبیاء علیہم السلام کا عمل ماخذ سنت: غامدی صاحب کی سنتوں میں نکاح، طلاق، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، حیض ونفاس میں عورت سے اجتناب، حیض ونفاس کے بعد غسل، غسل جنابت، جانور کا تزکیہ شامل ہیں۔لیکن یہ تمام اعمال، سنتیں تمام انبیاء علیہم السلام کے یہاں موجود تھیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے یہاں یہ اعمال یا سنتیں موجود نہ ہوں، وہ ان احکامات سے فطرت کے مطالبات سے بالکل نابلد ہوں۔ اگر یہ تمام کام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئے تو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے؟ یہ انبیاء علیہم السلام پر تہمت ہے۔

”قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ“۔ (آل عمران:۸۴)

۲۷:......خبر: سنت ابراہیمی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ثابت کرنے کا واحد ذریعہ غامدی صاحب کے پاس اب خبر ہے۔خبر سے ان کے نزدیک سنت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ تواترِ عملی سے ثابت ہوتی ہے، لیکن وہ خبر کے سوا سنت کو کسی اور طریقے سے تواترِ عملی سے عہد ابراہیمی سے لے کر عہد رسالت مآب ؐ تک ثابت نہیں کر سکتے۔ جب اس کا ثبوت تواترِ عملی سے ممکن ہی نہیں تو پھر خبرِ واحد ہی ثبوت ہے، لیکن غامدی صاحب اسے ماخذ نہیں مانتے تو پھر ماخذِ سنتِ ابراہیمی خبر کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ سنتِ ابراہیمی کو اخذ کرنے کا طریقہ براہِ راست مشاہدہ ہے یا بالواسطہ مشاہدہ۔ بالواسطہ مشاہدہ ہی خبر ہے، لہٰذا غامدی صاحب کا ماخذ خبر ہے، مگر وہ اُسے تسلیم نہیں کرتے۔

۲۸:......ملت: غامدی صاحب نے سورۂ نحل کی آیت: ”ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ“۔(النحل:۱۲۳) سے ثابت کیا ہے کہ سنت، دینِ ابراہیمی کی روایت اس ذریعے سے ملی ہے، یہاں لفظ ملت ہے، جسے وہ سنت کے مترادف، متبادل کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور اس آیت سے کبھی ۲۷ سنتیں، کبھی ۴۰ سنتیں کبھی ۳۰ سنتیں نکال رہے ہیں۔علم تفسیر کے ذخیرے میں ملت سے کسی نے سنت کا استنباط نہیں کیا مگر غامدی صاحب کا ماخذ ملتِ ابراہیم ہے، جس کا کوئی براہِ راست مشاہدہ ان کے پاس نہیں ہے۔

۲۹:......صحابہؓ اور امت کا اجماع: سنت کے ثبوت کے لئے شرط غامدی صاحب کے پاس صحابہؓ اور امت کا اجماع ہے، مگر سنت کی تعریف متعین کرنے کے لئے وہ ان ہی شرائط کا اطلاق نہیں کرتے،

سنت کی تعریف وہ خود متعین فرماتے ہیں، اور اپنی تخلیق کردہ سنت کے لئے بلا دلیل صحابہؓ اور امت کا اجماع ثابت کرتے ہیں، اسی لئے سنتوں کی تعداد مستقل بدلتی رہتی ہے۔

**۳۰:**......وحی: غامدی صاحب کے نزدیک وحی ماخذ ہے، تمام صحفِ سماوی اور قرآن بھی، قرآن آخری وحی ہے۔ دین وحی سے اخذ ہوتا ہے، یعنی سنت وحی ہے کہ دین یہی ہے۔ اگر دین سنت ابراہیمی ہے تو کیا حضرت ابراہیمؑ کی وحی سے یہ ثابت ہے؟ اگر سنت ابراہیمی وحی نہیں ہے تو پھر وہ دین کیسے بن گئی؟ جبکہ اس میں تدفین اور قربانی تو حضرت آدمؑ کی سنت ہے، دیگر سنتیں دیگر انبیاء کی مشترکہ ہیں۔ حدیث ہے کہ ختنہ، زیرناف کے بال مونڈنا، بغل کے بال صاف کرنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں پست رکھنا فطرت ہے۔''**الفطرة خمس**''۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس) غامدی صاحب کے اصول سے تو یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کی تمام امتیں فطرت سے نابلد تھیں اور ان کے یہاں نکاح، طلاق، پاکیزگی، طہارت، نفاست کا تصور سرے سے مفقود تھا۔

**۳۱:**......نقل کرنے کا ذریعہ ماخذ دین ہے: دین کو نقل کرنے کے ذرائع دین نہیں سمجھے جاتے۔ روایت، نقل، تواتر عملی دین کو پہنچانے اور منتقل کرنے کے ذرائع ہیں، نہ کہ دین کا معیار یا خود دین۔ غامدی صاحب ذریعے (Medium) کو ماخذ (Source) بلکہ دین قرار دیتے ہیں۔ تواتر عملی قرن اول کے لئے نہ دین ہے، نہ ذریعہ، کیونکہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل کا براہِ راست مشاہدہ کررہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ایک عمل جو صحابہؓ کے لئے خبر واحد سے ثابت تھا، غامدی صاحب کے نزدیک دین ہی نہیں ہے تو کیا صحابہؓ قرن اول میں دین پر عمل نہیں کررہے تھے؟ دین تو وہ ہے جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ دین قرار دیں، چاہے وہ خبر واحد سے ملے یا قولی یا عملی تواتر سے۔ ذریعہ دین نہیں ہے، نہ ہوسکتا ہے، بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے کوئی چیز دین بنتی ہے اور پھر بعد میں کسی ذریعے سے پہنچتی ہے۔ دین پہلے موجود ہوتا ہے، پھر ذریعہ وجود میں آتا ہے۔ ذریعے کو دین بنانا عجیب بات ہے۔

**۳۲:**......سنت ثابتہ: ''اس مرحلے سے پہلے اس طرح کی بیعت ایک بدعت ہے، جس کا کوئی ثبوت نبیؐ کی سنت ثابتہ اور سیرت طیبہ سے پیش نہیں کیا جاسکتا''۔ (برہان ص:۱۴۸ اہل بیعت کی خدمت میں ۱۹۹۲ء دار الاشراق، لاہور)۔

**۳۳:**......سنت: ''سنت ہر اس معاملے میں جس میں قرآن مجید خاموش ہے، بجائے خود ماخذ قانون کی حیثیت رکھتی ہے''۔ (برہان، ص:۴۱، ۲۰۰۶ء المورد، لاہور)

**۳۴:**......قول پیغمبر: ''دین میں کوئی چیز اگر ثابت کی جاسکتی ہے تو قرآن مجید کے بعد پیغمبر کے قول سے ہی ثابت کی جاسکتی ہے''۔ (برہان، ص:۱۹۲، ۲۰۰۶ء، المورد، لاہور)

**۳۵:**......حدیث وسنت اور اخبار آحاد: ''قرآن مجید کے بعد دوسرا ماخذ حدیث وسنت ہے۔ اس کا بیشتر حصہ تواتر عملی کے ذریعے سے ملا ہے، باقی جو کچھ حصہ اخبار آحاد کی صورت میں تھا، اس میں جتنا کچھ ہمارے اسلاف نے قابل اعتماد پایا، وہ سب انہوں نے منتقل کردیا ہے، اس میں سے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ دین میں

یہی دو چیزیں اصل حجت ہیں''۔ (مقامات،ص:۱۳۵،۲۰۰۶ء،المورد،لاہور) (مقامات طبع اول،ص:۱۷۸،۲۰۰۸ء،المورد،لاہور)

**۳۶:**......سنت ماخذ دین نہیں ہے: غامدی صاحب ۱۹۹۸ء میں کراچی کے محاضرات میں کہہ چکے ہیں کہ ''سنت میں اختلاف کیسے ہوجائے گا؟ جیسے ہی اختلاف ہوجائے گا وہ چیز سنت ثابت نہیں ہوگی۔اجماع اس کی لازمی شرط ہے۔ جیسے قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا، سنت میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا''۔ (ساحل مئی ۱۹۹۸ء،ص:۵۸) غامدی صاحب کے اس اصول کے تحت اب سنت ماخذ نہیں ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہوگیا ہے۔ پہلے سنت ثابتہ، پھر حدیث وسنت، پھر سنت، پھر ان کی تعداد کبھی ۲۷، کبھی ۲۶، کبھی ۱۷، کبھی کچھ۔

**۳۷:**......اس امت کے اہل تحقیق میں کوئی اختلاف نہیں کہ لغتِ عرب کی تحقیق کے لئے سب سے پہلا ماخذ خود قرآن مجید ہے اور اس کے بعد یہ حیثیت پیغمبرؐ اور صحابہؓ کے ان اقوال کو جو روایت باللفظ کے طریقے پر منتقل ہوئے ہیں اور پھر ادب جاہلی کو حاصل ہے۔ (ص:۱۷۱، برہان ۲۰۰۶ء) لغت عرب کی تحقیق کے لئے پیغمبرؐ اور اقوال صحابہؓ حجت ہیں، لیکن سنت کی تعریف متعین کرنے کے لئے ان ماخذات میں سے کوئی ماخذ حجت نہیں ہے، صرف غامدی صاحب کا فہم حجت ہے۔ وصیت کی آیت میں وصیت کا مفہوم غامدی صاحب نے پہلے پیغمبرؐ، اقوال صحابہؓ، اجماع اور تعامل امت سے اخذ کیا۔ ۲۰۰۸ء میں مقامات میں وصیت کا فہم لغت عرب سے متعین فرمادیا۔

**۳۸:**......دانش پہلی وحی ہے: ''دانش خود دین کا حصہ ہے، یوں کہیں کہ دانش اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی ہے اور قرآن دوسری وحی جن معاملات میں دانش کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، وہاں وہ کام کرے گی''۔ (ص:۵۸، افضال ریحان کو غامدی صاحب کا انٹرویو، اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۴ء)

**۳۹:**...... نیا اصول، نبوت لازمی نہیں: ''ہر وہ تہذیب اسلامی ہے جو تین اساسات قبول کرے۔ رسم وروایات، رہن سہن اور آداب وشعائر کے ہزار اختلافات کے باوجود ہم اسے اسلامی تہذیب قرار دے سکتے ہیں: ا:...... وحدتِ الٰہ ۔۲:......وحدتِ آدم ۔۳:......عمل کی بنیاد پر ابدی مکافات۔ اسی وجہ سے کسی خاص قالب کو اسلامی تہذیب نہیں قرار دینا چاہئے''۔ (ص:۶۴، انٹرویو افضال ریحان کو، محولہ بالا) (ص:۶۴، محولہ) جناب غامدی نے اسلامی تہذیب سے رسالت محمدیؐ کو خارج فرمایا۔ رسالت پر ایمان کے بغیر توحید کی تصدیق کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ توحید اور احکامات الٰہی رسالت کے بغیر انسانوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟۔

**۴۰:**......المورد کے زیر اہتمام دانش سرا کے صدر ڈاکٹر فاروق خان کی کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی تو غامدی صاحب کے مکتب فکر کے ماخذاتِ دین اس کتاب میں شائع کئے گئے، آپ بھی پڑھئے، اس دور کے غامدی صاحب کے ماخذات دین درج ذیل ہیں:

**(۱)** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ قرآن مجید میزان اور فرقان، یعنی کسوٹی ہے۔

**(۲)** قرآن کے بعد حضورؐ سے یہ دین ہمیں سنت ثابتہ کی شکل میں بھی ملا ہے۔ سنت ثابتہ حضورؐ

کا وہ عمل ہے جو انہوں نے التزام کے ساتھ امت میں جاری فرمایا، پھر یہ عمل صحابہ کرامؓ کے متواتر عمل اور اجماع کے ذریعے سے اس امت کو منتقل ہوا۔ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن قولی تواتر کے ساتھ ہمیں منتقل ہوا ہے اور سنت ثابتہ عملی تواتر کے ساتھ ہمیں منتقل ہوئی ہے۔

(۳) حدیث، رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تائید کو کہتے ہیں، جو ہمیں مختلف واسطوں سے ملی ہے۔ کسی روایت کو حضور ﷺ کی بات تسلیم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بات قرآن مجید، سنت ثابتہ، اور عقل وفطرت کی پختہ بنیاد پر قائم ہو اور کسی پہلو سے ان کے منافی نہ ہو اور قابل اعتماد ذرائع سے ہم تک پہنچے۔ جو روایت اس معیار پر پوری اترے، وہ بھی ہر مسلمان کے لئے حجت ہے۔

(۴) اجتہاد قرآن وسنت سے ماورا کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہے۔ جس اجتہاد کو امت مسلمہ کا ضمیر قبول کرے، وہ اپنی انفرادی زندگیوں میں اس کی پیروی شروع کردیں اور اپنی حقیقی مجالس قانون ساز (پارلیمنٹ) کے ذریعے سے اس کو اپنی اجتماعی زندگیوں پر نافذ کریں، وہی اجتہاد در اصل قانون ہے اور اس سے مختلف اجتہادات کی حیثیت ایک فتوے یا رائے کی سی ہے۔

(۵) اجماع: ''جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے، جس میں ایک لفظ کی کمی بیشی خارج از امکان ہے، تو اس دعویٰ کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بیک زبان یہ متفقہ شہادت دی کہ یہی قرآن انہوں نے حرف بحرف رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ گویا، قرآن جس پر ہمارے دین کی بنیاد ہے، ہمیں صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ملا ہے۔ اسی طرح سنت کو ہم اس لئے حضور ﷺ کا طریقہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر اپنے بعد میں آنے والوں کے سامنے یہ گواہی دی کہ انہوں نے ساری زندگی حضور ﷺ کو یہی طرزِ عمل اپناتے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے ہمیشہ اسی کا حکم دیا ہے۔ گویا سنت بھی ہمیں صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ملی ہے، چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ اجماع حجت ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن وسنت ہمیں اجماع صحابہؓ سے ملے ہیں، اس لئے یہ حجت ہیں۔ سلف کے ہاں اجماع کا یہی مفہوم تھا، ظاہر ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے اجماع یقیناً حجت ہے اور اسی پر دین کا دارومدار ہے، لیکن بعد میں خلف کے ہاں اجماع کو کچھ اور معنوں میں بھی استعمال کیا جانے لگا، جس کے معنی یہ تھے کہ اگر کسی معاملے میں کسی ایک تعبیر پر ایک خاص وقت میں تمام اہل علم متفق ہوجائیں تو وہ اجماع بن جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا لفظ ''جمہور'' کا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی معاملے میں اہل علم کی اکثریت ایک خاص رائے پر متفق ہوتی تھی، تو اسے جمہور کی رائے کہا جاتا تھا۔ اجماع کے اس مفہوم کو ہم نے بہت سادہ انداز میں بیان کردیا ہے، ورنہ اجماع کی تعریف میں بہت زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے، اسی لئے اس مسئلے میں ہمیں فقہ کی کتابوں میں بہت سی اصطلاحات ملتی ہیں، مثلاً اجماع واقعی، اجماع ذاتی، اجماع عقلی، اجماع اجتہادی، اجماع قولی، اجماع سکوتی وغیرہ''۔ (ڈاکٹر محمد فاروق خان، صدر دانش سرا

پاکستان، نائب صدر المورد، جناب غامدی صاحب کے معتمد خاص جو دانش سرا کے ذریعے فکر غامدی کی تبلیغ وتشہیر کے ذمہ دار تھے، یہ اقتباسات ان کی کتاب اکیسویں صدی اور پاکستان، ص:۲۵۴ تا ۲۶۱، سن ۱۹۹۶ء، المورد، لاہور سے لئے گئے ہیں واضح رہے کہ یہ کتاب پہلے محمد صلاح الدین مدیر تکبیر نے مطبوعات تکبیر کے تحت شائع کی تھی، کتاب میں اس کا حوالہ درج نہیں ہے، اسے اشاعت اول ظاہر کیا گیا ہے۔ میزان کی اشاعت سے پہلے غامدی صاحب کی فکر ''اسلام کیا ہے؟'' کے نام سے پیش کی گئی تھی، ''میزان'' اسی کا چربہ ہے، اس کے مرتب ڈاکٹر صاحب تھے)۔

۴۱:......۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے ''زندگی'' میں غامدی صاحب کا انٹرویو شائع ہوا، جو بعد میں افضال ریحان کی کتاب مغربی تہذیب بمقابلہ اسلامی تہذیب ۲۰۰۴ء دارالتذکیر میں ص:۳۱ تا ۶۹ پر شائع ہوا، اس انٹرویو میں مغرب کے حوالے سے غامدی صاحب کے خیالات درج ذیل ہیں:

''مغربی تہذیب اپنی اخلاقی اساسات کے لحاظ سے مسیحی علم الکلام سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ سچا علم کلام ہے۔ہمیں موحد بن کر مغرب سے بات کرنی چاہئے، یعنی جو چیز ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہے''۔(ص:۳۱)''اہل مغرب خدا، پیغمبروں، آخرت اور مذہب کو ماننے والے لوگ ہیں، اس فکر پر اب ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے''۔(ص:۳۲)''آزادی وہاں بحیثیت قدر کے مانی جا چکی ہے''۔(ص:۳۳) ''مسلمانوں نے ہزار برس تک جو کچھ کیا ہے، مغرب اس کو ابھی تک چھو بھی نہیں سکا ہے''۔(ص:۴۶)''عدل کرو، یہ تقویٰ کے قریب ہے، یہ ہے ہمارا بین الاقوامی قانون جو ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے بالعموم اس کی پابندی کی''۔(ص:۴۸)''مغرب جو باتیں آج کہہ رہا ہے، وہ ہم نے چودہ سو برس پہلے کہہ دیں۔عمل کی دنیا میں مغرب بہت بلند ہے اور ہم بہت پست۔(ص:۴۹)قرآن انسانی آزادی اور فلاح کے لئے آیا ہے۔(ص:۵۲)''ویزہ، پاسپورٹ ہم نے نہیں، مغرب نے پیدا کیا۔(ص:۶۱)''مغرب نے نیشنل ازم کی مذمت نہیں کی''۔(ص:۶۲)''مغربی تہذیب انسانی تمدن کے ارتقاء ہی کی ایک منزل ہے۔ انسانی تمدن کے مسائل کے حل کے لئے مغربی تہذیب نے بہت کچھ اثاثہ جمع کرلیا ہے''۔(ص:۶۲)''ہر وہ تہذیب اسلامی ہے جو وحدت الٰہ، وحدت آدم اور عمل سے ابدی امکانات کی قائل ہو''۔(ص:۶۴) ''مغرب سے ہمارا تعلق داعی اور مدعو کا ہونا چاہئے''۔(ص:۶۸)

اس انٹرویو کے بعد حضرت والا کا ارتقاء ہوگیا، لہٰذا اب مغرب کے بارے میں ان کے خیالات مقامات ۲۰۰۶ء میں پڑھئے:

مغرب یاجوج ماجوج ہے: ۲۰۰۶ء تک غامدی صاحب کا مغرب کے بارے میں اصولی نقطۂ نظر یہ تھا کہ مغرب یاجوج ماجوج ہے، دیوار برلن ٹوٹ گئی۔ اب امریکہ روس میں ہے اور روس امریکہ میں۔ یاجوج ماجوج نوحؑ کے تیسرے بیٹے یافث کی اولاد ہیں، ان کا وطن سوادروس ہے۔قدیم زمانے میں یہی لوگ یورپ میں آباد ہوئے، پھر امریکا، آسٹریلیا پہنچے اور اب دنیا کے سارے پھاٹک ان کے قبضے میں ہیں۔مغرب فیضان ابلیس ہے، وہ تہذیب جو اس سورج سے نمایاں ہوئی ایک آنکھ سے اندھی

ہے، یہ دجال ہے، اس کے پاس دھواں اور دابۃ الارض ہے، اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ وہ کافر ہے، سو وقت قریب آ لگا ہے، اٹھو! اپنے رب کی طرف دوڑو، دجال شہر عزیز میں پہنچ رہا ہے۔ یہ شاید تمہاری آخری جنگ ہے، جو تمہیں اس جنت کے لئے زمین پر لڑنی ہے۔ اٹھو! اور اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ سوچو کہ تمہیں اس جنگ میں کھونا ہی کیا ہے؟ بس یہ دنیا جس کے کھو دینے سے ہی تمہیں وہ دنیا (جنت) ملے گی۔ (مقامات، ۲۰۰۶ء، ص: ۹۳، ۹۴)

اس عالم کا عقدہ کسی مابعد الطبیعیاتی اساس کے بغیر بھی کھل سکتا ہے اور انسان کا مسئلہ خود اس کے بنانے والے کی رہنمائی کے بغیر بھی حل ہوسکتا ہے۔ یہی اصول ہے جس پر مغرب میں فلسفہ، سائنس اور دوسرے علوم وفنون کا ارتقاء پچھلی دو صدیوں میں ہوا ہے اور جسے ابھی تک مغربی فکر میں اصل اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ مغرب کی فکر کا بنیادی مقدمہ اس انکار پر ہی استوار ہے۔ یہ کارخانۂ عالم بغیر کسی خالق کے وجود میں آتا ہے۔ انسان اس میں اپنی تقدیر خود بناتا، خود بگاڑتا ہے۔ انسان کی تاریخ اس میں انسان سے شروع ہوتی اور انسان ہی پر ختم ہوتی ہے۔ ذات خداوندی کے لئے اس میں نہ ابتداء میں کوئی جگہ ہے، نہ انتہا میں۔ انسان ہی ابتداء، وہی انتہا اور وہی ظاہر و باطن ہے۔ (۱۴۱، ۱۴۲، بحولہ بالا) اس کے بعد حضرت والا کا پھر ارتقاء ہوگیا اور مقامات، طبع اول ۲۰۰۸ء سے یاجوج ماجوج کا مضمون ہی خارج کردیا گیا، کیونکہ اب یاجوج ماجوج سے مصالحت، مفاہمت، اشتراک عمل اور محبت وتعلق کا عہد شروع ہوگیا ہے۔

میرے محترم جناب غامدی صاحب کی خدمت میں ان دلائل کے بعد ان کی ہی ایک عبارت ادب کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

> ’’لیکن حق بہر حال حق ہے اور اس کی حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ اُسے ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا کئے بغیر برملا ظاہر کردیا جائے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ایک دن اس عدالت میں پیش ہونا ہے، جہاں ہمارے وجود کا باطن ہمارے ظاہر سے زیادہ برہنہ ہوگا اور خود ہمارا وجود بھی صاف انکار کردے گا کہ وہ اسے چھپائے۔ ہماری زبان اس روز بھی معنی ومفہوم کو لفظوں کا جامہ پہنا سکے گی، لیکن اس دن یہ جامہ کسی معنی کو چھپانے کی صلاحیت سے محروم ہوجائے گا۔ ہمارے ہاتھ اور پاؤں اس روز بھی ہمارے وجود کا حصہ ہوں گے، لیکن ہمارے ہر حکم کی تعمیل سے قاصر ہوجائیں گے۔ حقیقت اپنی آخری حد تک بے نقاب ہوجائے گی اور ہم میں سے کوئی شخص اس روز اسے کسی تاویل اور توجیہ کے پردوں میں چھپا نہ سکے گا۔ اس سے پہلے کہ انتہائی عجز اور انتہائی بے بسی کا یہ عالم ہمارے لئے پیدا ہوجائے، بہتر یہی ہے کہ ہم حق اور صرف حق کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیں، وما توفیقنا إلا باللّٰہ‘‘۔ (ص: ۳۳، برہان ۱۹۹۲ء)

# ایمان ! حقیقت ونوعیت

پروفیسر مولانا سید باچا آغا
گورنمنٹ ڈگری کالج مسلم باغ، کوئٹہ

## ایمان کا لغوی معنی

ایمان کا لغوی معنی ہے امن دینا، اعتماد کرنا، کسی کو سچا سمجھ کر اس کی بات پر یقین کرنا، وغیرہ۔

## ایمان کا اصطلاحی وشرعی معنی

نبی کریم ﷺ سے دین کی جو بات قطعی طور پر ثابت ہے، اُسے دل وجان سے تسلیم کرنا۔

## ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضور ﷺ کو صادق ومصدوق سمجھیں، آپ ﷺ کی رسالت پر دل سے اعتقاد رکھیں اور زبان سے اس کی گواہی وشہادت دیں۔ ایمان کی حقیقت اصل میں ''تصدیق قلبی'' ہے اور رہا زبان سے اس کا اقرار کرنا تو یہ اقرار صرف اس لئے ہے، تاکہ ظاہر میں اب آپ پر مسلمان ہونے کے احکام جاری کئے جاسکیں اور یہ بھی ہے کہ زبانی اقرار ''تصدیق قلبی'' کی علامت بھی ہے، کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے۔ ہاں! یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص گونگا ہے یا جبراً اس سے کلمہ کہلایا گیا، یا پھر زبان سے اقرار کرنے کی اُسے مہلت نہ مل سکی، لیکن اس کے قلب میں تصدیق موجود تھی تو ایسی تمام صورتوں میں زبانی اقرار کی ضرورت نہ ہوگی۔ ''نبراس'' شرح ''شرح عقائد'' میں درج ہے کہ:

**''إنه هو التصديق بالقلب، وإنما الاقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا من حرمة الدم والمال وصلوٰة الجنازة عليه ودفنه في مقابر المسلمين.... فمن صدق في قلبه ولم يقر بلسانه فهو مؤمن عند الله سبحانه وإن لم يكن مؤمناً في أحكام الدنيا''۔** (نبراس، شرح ''شرح عقائد''، ص:۵۲۰، مولانا عبدالعزیز پرہاڑیؒ)

## ایمان کے اجزاء

محدثین کے یہاں ایمان کے تین اجزاء ہیں: ۱......تصدیق، ۲......اقرار، ۳......عمل۔ اسی لئے تو محدثین ایمان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ اختلاف محض لفظی ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، کیونکہ جو کچھ

محدثین کہتے ہیں کامل ایمان تو حقیقتاً یہی ہے۔ بے عمل کا ایمان بہرحال ناقص ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ ایمان، تصدیق قلبی کا ہی نام ہے، اعمال اس کی حقیقت میں داخل نہیں، اگرچہ کمال ایمان، اعمال صالحہ ہی سے وجود میں آتا ہے۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ایمان کیا ہے؟ مترجم مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ، ص:۸۳)

## ایمان کے درجے

ایمان کے دو درجے ہیں: ا......ایمان تحقیقی، ۲......ایمان تقلیدی۔ ایمان تحقیقی یہ ہے کہ تمام ایمانیات کا قائل ہو اور انہیں دلائل سے ثابت بھی کرسکتا ہو۔ اور ایمان تقلیدی یہ ہے کہ تمام ایمانیات کا قائل تو ہو، مگر انہیں دلائل سے ثابت نہیں کرسکتا۔ دونوں قسم کا ایمان معتبر ہے، تاہم ایمان تحقیقی، ایمان تقلیدی سے رتبے میں بڑھ کر ہے۔

**”قال أبوحنیفةؒ وسفیان الثوریؒ ومالکؒ والأوزاعیؒ والشافعیؒ واحمدؒ وعامة الفقهاء وأهل الحدیث رحمهم اللّٰه تعالیٰ: صلح إیمانه ولکنه عاص بترک الاستدلال بل نقل بعضهم الإجماعَ علی ذلک“**۔(شرح فقہ اکبر،ص:۱۴۳)

## ضروریاتِ دین پر ایمان

ان تمام چیزوں کو جو نبی کریم ﷺ سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں، ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ مومن کے لئے ان تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کے انکار سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ ضروریاتِ دین بہت ساری ہیں، مثلاً: اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں، قیامت، تقدیر، موت کے بعد زندہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ ارکان اسلام کی فرضیت کا قائل ہونا، سود، زنا، جھوٹ اور فرائض اسلام کی عدم ادائیگی کی حرمت کا قائل ہونا وغیرہ۔ ضروریاتِ دین بعض تفصیل کے ساتھ بتلائی گئی ہیں اور بعض اجمالاً۔ جو ضروریاتِ دین تفصیلاً بتلائی گئی ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے، مثلاً نماز پر اس کے متعلق بتلائی گئی ہیئت وکیفیت سمیت ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا تو قائل ہے، لیکن اس تفصیل کے ساتھ قائل نہیں جو بتلائی گئی ہے تو وہ مومن نہیں۔ اور جو ضروریات اجمالاً بتلائی گئی ہیں، مثلاً: فرشتوں پر ایمان لانا، سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا وغیرہ تو ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے: (شرح المقاصد، ج:۳، ص:۴۲۰)

## ایمان اور اسلام میں فرق

ایمان واسلام میں کوئی فرق نہیں، لیکن اس کے باوجود ایمان سے عموماً تصدیق قلبی واحوال باطنی مراد ہوتے ہیں اور اسلام سے اکثر وبیشتر ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری مراد لی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

’’قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا‘‘۔ (الحجرات:۱۴)

ترجمہ:......’’اور کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے، تو کہہ کہ تم ایمان نہیں لائے، لیکن تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے‘‘۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ حاصل اس تفصیل کا یہ ہے کہ جو مسلمان ہے وہ مومن بھی ہے اور جو مؤمن ہے وہ مسلمان بھی ہے۔ ان دونوں میں کوئی مغایرت واختلاف نہیں۔ علامہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ: تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی حقیقت ہے، لیکن اختلافِ مواطن سے اس کے نام مختلف ہوگئے اور اگر ایمان صرف قلب ہی میں ہو اور اسلام محض اعضاء پر نمایاں ہو تو یہ مغایر حقیقتیں ہیں، اب ان میں اتحاد نہ ہوگا۔ (فیض الباری، ج:۱،ص:۶۹)

ایمان کا تعلق ان چیزوں سے ہے جن کی تصدیق کی جاتی ہے، یعنی اعتقادات سے۔ اسلام کا تعلق ان چیزوں سے ہے جنہیں عملی طور پر بجالایا جاتا ہے، یعنی اعمال ظاہرہ: نماز، روزہ، وغیرہ سے۔ لیکن قرآن وحدیث میں ان کا آپس میں ایک دوسرے پر اطلاق بھی کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً دونوں کا مصداق تقریباً ایک ہی ہے یا دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل یا غیر معتبر ہے:

**’’قال أهل السنة والجماعة الإيمان لاينفصل عن الإسلام والإسلام من الإيمان. من كان مؤمناً كان مسلماً ومن كان مسلماً كان مؤمناً، وإن كان الإيمان غير الإسلام لغةً كالبطن لايتصور بدون الظهر والظهر بدون البطن وإن كانا غيرين فإن الإيمان هو التصديق والإسلام هو الانقياد، فمن كان مصدقاً لله تعالىٰ ولرسوله كان مسلماً ومن كان منقاداً له ولرسوله كان مؤمناً. وعند المعتزلة والروافض ينفصل أحدهما عن الآخر‘‘۔** (اصول الدین للبزدویؒ،ص:۱۵۴)

ترجمہ:’’اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ایمان اسلام سے الگ نہیں ہے، اور اسلام ایمان میں سے ہے، جو مؤمن ہوگا وہ مسلمان بھی ہوگا اور جو مسلمان ہوگا وہ مومن بھی ہوگا، اگرچہ لغۃً ایمان اسلام کا غیر ہے، جیسے پیٹ پیٹھ کے بغیر متصور نہیں ہے، اور پیٹھ پیٹ کے بغیر متصور نہیں ہے، اگرچہ وہ دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں۔ پس ایمان تصدیق کا نام ہے اور اسلام اتباع کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہے وہ مسلم ہے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا تابع دار ہے وہ مومن ہے۔ اور معتزلہ اور روافض کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ ہیں‘‘۔

# مُداوا......!!

جناب احمد معاویہ اشرفی

اس وقت ملک کے مجموعی حالات جس غیر اطمینان بخش کیفیت سے دوچار ہیں، اس نے ہر ذی شعور کو ذہنی وقلبی ہیجان میں مبتلا کر رکھا ہے۔ طرح طرح کے شدائد وتکالیف میں پوری قوم جکڑی ہوئی ہے۔ ہرطرف بے سکونی وبدامنی اور بے چینی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ بے لگام گرانی، انسانی جان کی ارزانی اور بڑھتی ہوئی مفلسی نے قوم کے ہر طبقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، جب کہ قلبی مایوسی اور فکری انتشار نے عملی طور پر ہمیں مفلوج کر دیا ہے۔

عمومی صورت حال یہ ہے کہ ہر شخص حالات کا ذمہ دار دوسرے کو ٹھہرانے میں لگا ہوا ہے، ہر فرد اجتماعی وانفرادی مصائب وآلام کا دوش دوسرے کو دے رہا ہے، ہرکوئی اپنی پاکی داماں کی حکایت بیان کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اگر ایک طرف حکمرانوں اور اربابِ منصب واقتدار کی بے حسی اور نااہلی اپنا رنگ دکھارہی ہے تو دوسری جانب ہمارے عمومی مزاجوں میں موجود جھوٹ، دھوکا، خیانت اور شخصی واجتماعی حیثیتوں میں مفوضہ فرائض کے سلسلے میں کوتاہی جیسے اخلاقی امراض، ہمارا ملی وجود اور قومی تشخص گہنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت معاشرے پر سرسری نظر دوڑانے سے جو صورت اُبھر کر سامنے آتی ہے، وہ من حیث القوم ہماری تنزلی اور پستی کی مکمل داستان سنا رہی ہے۔

بلا شک وشبہ مادرِوطن پوری دنیا میں اپنے نظریاتی تشخص کے باعث ایک منفرد اور بلند مقام رکھتی ہے۔ اس کی بنیاد جس پاک کلمے پر رکھی گئی تھی، آج بھی وہی اس کی پہچان اور تعارف ہے۔ عالم اسلام ''پاکستان'' کو ایک قائد اور لیڈر کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ دنیا بھر کے لاکھوں مظلوم مسلمان پاک سرزمین کو اپنی امیدوں کا مرکز ومرجع سمجھتے ہیں۔ اللہ ربُّ العالمین نے وطن عزیز کو جہاں معدنی وقدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے، وہاں اس کی جھولی میں ایسے تابندہ اور درخشندہ ستارے بھی موجود ہیں، جن کی خدمات وصلاحیتوں کی ایک دنیا قائل ہوچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفر اور اہل کفر کی روز اول سے یہ مذموم کوشش اور نامشکور سعی رہی ہے کہ وہ اس خداداد سرزمین کو

تہس نہس کر دیں۔ ہمارے پیارے ملک سے اس کا وقار و مقام چھین لیں۔ملکی تاریخ کے گزرے چھ عشرے، اپنے اندر ایسی بہت سی کہی اَن کہی داستانوں کو چھپائے ہوئے ہیں۔سقوطِ مشرقی پاکستان ہو یا امریکا کی نام نہاد انسدادِ دہشت گردی میں شراکت داری، مسئلہ کشمیر ہو یا بلوچستان، کراچی میں امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال ہو یا شمالی علاقہ جات میں امریکی ڈرون حملے، سانحہ ایبٹ آباد ہو یا سانحہ سلالہ چیک پوسٹ، غرض کون سا موقع اور مقام ہے جہاں بدی کے ہرکاروں نے ارض پاک کو زَک اور نقصان پہنچانے سے چوک کی ہو؟۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ چالاک دشمن کی طرف سے کہیں اہل وطن کے فکری ونظریاتی رُخ کو موڑنے کی سازش کی گئی تو کہیں عصبیت ولسانیت کا سحر پھونکا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ قوم جس نے کلمہ طیبہ کی بنیاد اور نعرے پر یہ ملک حاصل کیا، آج باہمی افتراق وتشتت اور آویزش کا شکار ہے۔ جس دین کے ماننے والوں کو آپس میں بھائی بھائی کہا گیا، امروز اُسی کے نام لیوا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آرہے ہیں، جگہ جگہ رنگ ونسل اور قوم وقبیلہ کو علامت وپہچان بنا کر حقوق کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ اسلامی بھائی چارگی، روحانی اُخوت ومحبت اور ایمانی اتحاد واتفاق کی فضا ناپید ہے۔

اسی طرح مکار اعدائے ملت ودین نے مغرب زدہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے، قوم کے اذہان وافکار کی تطہیر کا کام بھی مسلسل جاری رکھا ہوا ہے۔ مادر پدر آزاد الیکٹرانک میڈیا اپنی اسکرین پر ایسے ایسے حیا سوز اور ایمان کُش مناظر پیش کر رہا ہے، جس کا تصور ایک اسلامی معاشرے میں محال سمجھا جاتا ہے۔ ہماری نسلِ نو فحش اور جنسی انارکی پر مشتمل فلمیں، ڈرامے اور شو دیکھ کر جہنم کے جس گڑھے میں گر رہی ہے، اس کا تصور ہی روح کو زخمی کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مادیت پرستی اور ظاہر بینی کے مظاہر کو اس قدر عام کیا گیا کہ اخلاقی اور باطنی قدریں فنا ہو کر رہ گئیں ہیں۔

عامۃ الناس کو اہل اللہ، علماء اور صلحاء سے کاٹ کر ایسی پتنگ کی مانند بنا دیا گیا ہے، جس کو لوٹنے کے لئے ابلیسی چیلے ہر جگہ موجود ہیں۔ غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کر کے خیر کے مراکز کو دہشت گردی کے اڈے قرار دے دیا گیا ہے۔ ڈاڑھی، ٹوپی اور پگڑی کو ہدف تنقید بنا دیا گیا ہے، جس کا افسوس ناک نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ شعائرِ دین اور اہلِ دین کی عظمت وعقیدت قلوب سے نکل گئی ہے۔ دین سے دوری، شریعت مطہرہ کے احکام سے غفلت اور اسوہ حسنہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بے اعتنائی نے ہمیں اس عقابِ خداوندی میں مبتلا کر دیا ہے کہ جس کا مشاہدہ اِس دَم ہر آنکھ کر رہی ہے۔

اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ ان تمام اندھیریوں اور مایوسیوں کی موجودگی میں اگر اُمید کی کوئی کرن ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور وفا شعاری ہے۔ سچے دل سے توبہ اور ندامت وشرمندگی کے آنسو بہا کر ربّ تعالیٰ کی مرضی حاصل کی جاسکتی ہے۔ قرآن وسنت کے

مطالعے سے صاف پتا چلتا ہے کہ رحمتِ خداوندی سے ناامیدی ایک صاحب ایمان کے لئے حرام ہے۔ جب تک مسلمان استغفار، رجوع اور انابت الی اللہ کو حرز جان بنائے رکھتے ہیں، خداتعالیٰ کی رحمت اورعنایت ان پر برابر متوجہ ہوتی رہتی ہے، ان کے دشمن کی ہر سازش ناکام ونامراد ہوجاتی ہے اور پھر اللہ ربّ العالمین بذاتِ خود اہل ایمان کی نصرت وامداد فرماتے ہیں۔

لیکن اس کے لئے پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات اور سنت مطہرہ کی پابندی، پاسداری اور التزام کو اپنا شعار بنالیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی پیروی اور اتباع ہی اس مشکل گھڑی سے ہمیں نجات دے سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کا خود محاسبہ واحتساب کرے۔ ہر چھوٹا بڑے کو اور بالادست ماتحت کو مطعون کرنے کی بجائے اپنے کردار وعمل کا جائزہ لے۔ آخرت کا یقین واستحضار اور حق تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا یقین دلوں میں جاگزیں کیا جائے، تو یقیناً ہماری موجودہ درماندگی، محتاجگی اور بے سروسامانی کا مُداوا ہوسکتا ہے۔

# مینارۂ علم وکمال

حضرت مولانا محمد مسعود اَزہر

حضرت مولانا علامہ محمد عبد الستار صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء میں سے تھے جن کے پاس واقعی دین کا مضبوط اور راسخ علم تھا۔ علم کے فضائل انہی جیسے علماء کرام کے لئے ہیں، ان کی وفات کو کئی روز بیت گئے۔ دل میں ہُوک سی اُٹھتی ہے اور بہت سے مناظر تازہ ہو جاتے ہیں۔ ساری امت کے لئے صدمے کا مقام ہے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

بچپن میں ان کا ایک جلسہ سنا، ماشاء اللہ! کیا رعب تھا اور کیا آواز، شیروں جیسی گرج۔ اس زمانے میں علماء کرام کے پاس اسلحہ نہیں ہوتا تھا، حضرت اسٹیج پر تشریف لائے تو ان کے جسم پر پستول سجا ہوا تھا، یہ منظر دل کو اچھا لگا۔ پھر سامنے میز پر کتابیں سجائی گئیں، بیان شروع ہوا تو یوں لگا کہ دریا کا بند کھول دیا گیا ہے، بلند موجیں اور اونچی لہریں۔ حضرتؒ میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ حقیقت میں جہیر الصوت تھے، بہت خوبصورت، اونچی، گرجدار، اور بلند آواز کے مالک، مگر عام گفتگو میں اتنا نرم اور آہستہ بولتے تھے کہ کوئی اندازہ ہی نہ لگا سکے کہ ان کی آواز اس قدر بلند اور گرجدار ہوگی۔ بیان میں کتابوں کے حوالے دیتے، صفحہ نمبر اور سطر نمبر زبانی سناتے اور پھر وہ کتاب اُٹھا کر اس کا رُخ مجمع کی طرف کرتے۔ سبحان اللہ! عجیب علم تھا۔

باطل فرقے کے تمام علماء کو چیلنج فرماتے کہ روئے زمین کا کوئی عالم اس بات کا جواب دے دے تو میری سزا پھانسی اور حکومت کے لئے میرا خون معاف۔ حضرتؒ کے یہ ولولے اور چیلنج محض خطابت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ پر خاص فضل فرمایا تھا اور علم وتحقیق کے دروازے آپؒ کے سینے پر کھول دیئے تھے۔ بندہ نے خود اُن کو بڑھاپے کی حالت میں باادب بیٹھ کر گھنٹوں مطالعہ میں گم دیکھا۔ کتابوں کی کتابیں اَزبر یاد تھیں اور علم دین کی ہر صنف پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ زمانے کے بڑے بڑے اساطین علم

اُن کی صحبت میں بچوں کی طرح بیٹھ کر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ جیسے عالمی مبلغ، حضرت تونسویؒ کے شاگرد تھے اور اپنے اس تعلق کو بیان کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ میرے شیخ ومرشد اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ تونسویؒ کے سامنے دوزانو بیٹھتے تھے۔ ایک بار اپنے گھر پر دعوت کی، معزز مہمان کو حضرت شہیدؒ کے گھر لانا میرے ذمہ لگا، اس پوری دعوت میں حضرت لدھیانویؒ علامہ تونسویؒ کے سامنے مکمل باادب رہے اور آخر میں جب ہدیہ پیش کیا تو وہ بھی لفافہ میں بند اور دونوں ہاتھوں سے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ اہتمام تھا، شعبان کی چھٹیوں میں ملک بھر کے جبال العلم جامعہ میں جمع ہوجاتے تھے۔ واقعی عجیب منظر تھا، جامعہ کی مسجد کے دو بلند مینار اور نیچے جامعہ میں علم وتحقیق کے بلند مینارے۔ یہ چالیس دن کا مناظرہ کورس تھا، جو بہت اہتمام سے ہر سال منعقد کیا جاتا تھا۔ دورہ حدیث کا امتحان دینے والے طلباء کے لئے اس میں شرکت لازمی تھی، جبکہ باقی طلباء کے لئے اختیاری۔

علم وفضل کے ان میناروں میں جو سب سے بلند مینار جامعہ کو شرف بخشتا تھا، وہ حضرت تونسویؒ تھے۔ اپنی نادر کتابوں کے کئی بکسوں کے ساتھ تشریف لاتے اور بہت محبت اور لگن سے طلبہ کرام کو پڑھاتے۔ باقی حضرات میں ردِ عیسائیت کے لئے حضرت مولانا عبدالرحیم منہاجؒ، حضرت مولانا بشیر احمد شورکوٹیؒ۔ ردِ مرزائیت حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ۔ ردِ غیر مقلدیت کے لئے حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ اور عمومی چوکھی کے لئے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی تشریف لاتے تھے۔

آج ان حضرات میں سے صرف حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ ''**جبال من جبال العلم**'' ہیں۔ باقی تمام حضرات چلے گئے۔ حضرت علامہ مولانا محمد عبد الستار تونسویؒ بھی چلے گئے۔ ان کے حوالے سے کئی واقعات ذہن میں تھے، جو نہ لکھے جاسکے۔ وہ بندہ کے استاذ محترم بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ ہم حضرت تونسویؒ کے سانحۂ ارتحال پر اُن کے پسماندگان، تلامذہ اور جملہ متعلقین کے ساتھ اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی کامل مغفرت فرمائے، اُن کے صدقاتِ جاریہ کو جاری وساری رکھے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

# مقبرۃُ الاولیاء میں مدفون شہید

مولانا زبیر احمد صدیقی
مدیر ماہنامہ صدائے فاروقیہ، شجاع آباد

مورخہ ۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق یکم فروری ۲۰۱۳ء شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدرِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے حکم پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر کے ناظم مولانا عبدالمجید کے ہمراہ وفاق کی نمائندگی کرتے ہوئے خان پور ضلع رحیم یار خان، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس دارالافتاء شہیدِ علم حدیث نبوی، عالم بے بدل، فقیہ وقت، خانوادۂ دین پور کے چشم و چراغ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

خانقاہ راشدیہ قادریہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں مسعود احمد دین پوری مدظلہ نے اشک بار آنکھوں سے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ اہل علم وتقویٰ کے علاوہ ہزاروں لوگ سوگوار ماحول میں خون آلود کفن پہنے اپنے محبوب قائد کو دین پور شریف کے تاریخی مقبرۃ الاولیاء والمشائخ میں آسودہ خاک کر کے گھروں کو واپس لوٹے۔ یہ وہی مقبرہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا عبدالقادرؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ، حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، حضرت مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، حضرت مولانا غلام مصطفیٰؒ، میاں جی خیر محمدؒ، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہیدؒ اور مولانا شفیق الرحمٰن درخواستیؒ کے علاوہ کئی اکابر، علماء اور صلحاء مدفون ہیں۔

خان پور کے قریب گمنام دین پور کی بستی نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ، امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے دیگر رفقاء کار کی تحریک ''ریشمی رومال'' کے قبل از وقت اِفشا ہو جانے اور بظاہر تحریک کے کچل دیئے جانے کے بعد شہرت پائی۔ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈیؒ کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا خلیفہ غلام محمدؒ نے اس جنگل کو منگل بنایا۔ آپ کی محنت سے ذکر الٰہی اور تصفیۂ قلب کا ایک مرکز اور خانقاہ یہاں آباد ہو گئی۔

ہزاروں تشنگانِ شرابِ عشق یہاں آکر اپنی تشنگی بجھاتے۔ اکابر دیوبند کے مزاج کے مطابق یہ خانقاہ صرف ذکر اوراد کی مسند ہی نہ تھی، بلکہ علم نبوت کا بہترین مدرسہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی مضبوط چھاؤنی بن گئی۔ انگریزوں کے خلاف چلائے جانے والی تحریک کا ایک اہم مرکز اس خانقاہ کو قرار دیا گیا، حضرت خلیفہ صاحبؒ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو بھی خلافت سے نوازا تھا۔ حضرت لاہوریؒ کو اول اجازت حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ سے حاصل تھی۔ حضرت امروٹیؒ اور حضرت خلیفہ صاحبؒ دونوں ایک ہی شیخ سے مجاز تھے۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی سیالکوٹ سے قبولِ اسلام کے بعد ہجرت کرکے اولاً کوٹلہ رحم علی شاہ ضلع مظفر گڑھ، پھر امروٹ شریف تشریف لائے۔ امروٹ سے دیوبند کا سفر فرمایا۔ امروٹ کی نسبت سے حضرت سندھیؒ اور حضرت خلیفہ صاحبؒ کا باہم اعتماد اور رشتہ استوار رہا۔

مفتی عبد المجید دین پوری شہیدؒ کے پرنانا مولانا عبد القادرؒ حضرت سندھیؒ کے استاد تھے۔ حضرت خلیفہ صاحبؒ نے اپنی صاحبزادی کا عقد اُن کے ساتھ کیا۔ ان سے مولانا عبد المنان صاحبؒ تولد ہوئے جو مفتی عبد المجید دین پوری شہیدؒ کے نانا تھے۔ مولانا عبد المنان صاحبؒ حضرت سندھیؒ کے بھی شاگرد تھے۔ مولانا عبد المنان صاحبؒ نے اپنی صاحبزادی کا عقد نہایت ہی پارسا، متوکل اور شب بیدار عالم دین حضرت مولانا محمد عظیم بخش دین پوریؒ سے کردیا۔ مولانا عظیم بخشؒ نے خان پور کے مرکزی چوک میں ایک مسجد تعمیر فرمائی۔ نہایت ہی عبادت گزار شخص تھے، زیادہ تر وقت مسجد میں صرف کرتے۔ مولانا عظیم بخش صاحبؒ کے ہاں ۱۹۵۱ء میں بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام عبد المجید رکھا گیا، مولانا عظیم بخشؒ کی زندگی کی تین تمنائیں اور دعائیں معروف ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نیک صالح بیوی دے۔ دوم: اولاد نیک، صالح، دین دار اور فرمانبردار عطا ہو۔ اور سوم موت حرم میں نصیب ہوجائے۔ حق تعالیٰ نے تینوں دعائیں قبول فرمائیں۔ مولانا عظیم بخشؒ حرم میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

مفتی عبد المجید دین پوریؒ نجیب الطرفین تھے۔ گھر کا ماحول نہایت ہی تقویٰ اور طہارت پر استوار تھا، اس لئے زہد و تقویٰ مولانا کے رگ و ریشے میں رَچ بس گیا۔ ابتدائی تعلیم دین پور اور گرد و نواح سے حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جا پہنچے۔ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جیسے اکابر کی صحبت نے اُنہیں کندن بنادیا۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ سے فاتحہ فراغ پڑھا اور پھر جامعہ ہی سے تخصص فی الفقہ کا اعزاز حاصل کیا۔ فراغت کے بعد دار العلوم حسینیہ شہداد پور اور جامعہ اشرفیہ سکھر جیسے اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ والد صاحب کے وصال کی وجہ سے گھر واپس لوٹنا پڑا۔ مفتی صاحب نے خان پور میں مطب قائم فرمایا، لیکن اپنا تدریسی سلسلہ بھی قرب و جوار کے مدارس میں جاری رکھا، چنانچہ مدرسہ امداد العلوم خان پور، مدرسہ احیاء العلوم ظاہر پیر اور اپنے مادرِ علمی دین پور میں تشنگان علم

کو سیراب کرتے رہے۔ مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے گوہر نایاب کا اصل میدانِ عمل مادرِ علمی بنوری ٹاؤن جیسا ادارہ ہی تھا، لیکن بوجوہ وہ وطن لوٹ آئے۔ اسی دوران آپ کو جامعہ کی طرف سے طلب کیا گیا تو آپ اپنے دنیوی کام کاج چھوڑ کر ماہیٔ بے آب کی طرح فوراً جامعہ جا پہنچے اور تاحیات قرآن وسنت کی خدمت میں مصروف رہے۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کو مفتی عبدالسلام صاحب کے بنگلہ دیش چلے جانے کے بعد رئیس دارالافتاء بنا دیا گیا۔ آپ سے ملک بھر کے عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مفتیان کرام بھی استفادہ کرتے۔ آپ کی نظر نہایت ہی عمیق اور مزاج تحقیقی تھا۔ علم کے ساتھ عمل اور اخلاق حسنہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ طبیعت سادہ لیکن پر وقار تھی، خندہ پیشانی سے ہر آنے والے کا استقبال کرنا ان کا وصف تھا۔ اپنے اکابر وسلف سے بے پناہ محبت ان کا شیوہ تھا۔ حضرت بنوریؒ کا تذکرہ فرماتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ سبق سے پہلے حضرتؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر دعا فرماتے اور پھر درس گاہ میں تشریف لے جاتے۔ طبیعت میں اعتدال غالب تھا۔ وفاق المدارس العربیہ کے درجہ سابعہ کے ممتحن اعلیٰ تھے۔ گزشتہ برس امتحانی کمیٹی کی معاونت کے لئے جب احقر کی تشکیل ہوئی تو انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ باکمال انسان ثابت ہوئے۔ وہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے علاوہ مولانا سید لیاقت علی شاہ نقشبندی کے ادارے جامعہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی میں صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے۔ مولانا لیاقت علی شاہ صاحب کے جواں سال صاحبزادے محمد حسان علی شاہ شہیدؒ آپ کو اور مولانا مفتی صالح محمد شہیدؒ کو بنوری ٹاؤن سے لانے اور لے جانے کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ دونوں مخدوم اپنے خادم کے ہمراہ بنوری ٹاؤن کے دیگر اکابر مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ اور مولانا سعید احمد جلالپوریؒ کے ساتھ جا ملے۔

خان پور کے جنازے میں جنوبی پنجاب کے اکابرین، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا سیف الرحمٰن درخواستی، مولانا مطیع الرحمٰن درخواستی، مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی، مفتی ظفر اقبال، مفتی عطاء الرحمٰن، مولانا عبدالکریم ندیم، مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا ظفر احمد قاسم سمیت کئی ایک اہم شخصیات نے شرکت فرمائی۔ جامعہ بنوری ٹاؤن سے مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی شعیب عالم، اور بنوری ٹاؤن کے علماً وطلباً بھی آپ کے آسودہ خاک ہونے تک ہمرکاب رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

# عاش سعیداً و مات شہیداً

مفتی شعیب عالم
استاذ جامعہ ومفتی دارالافتاء

دنیا عالم اضداد ہے اور اضداد کے مابین منافرت ہوتی ہے، اس لئے ان کا اجتماع واتحاد نہیں ہوسکتا۔ دھوپ اور چھاؤں جمع نہیں ہوسکتے، سیاہی اور سفیدی اکٹھی نہیں ہوسکتی، زمین اور آسمان کے فاصلے ختم نہیں کئے جاسکتے اور مشرق اور مغرب کی دوریاں مٹائی نہیں جاسکتیں۔ اگر اضداد قریب آئیں تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور ایک دوسرے کا وجود مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہوا مٹی کو اُڑا دیتی ہے یا مٹی ہوا کو دبا دیتی ہے، پانی آگ کو بجھا دیتا ہے یا آگ پانی کو بھاپ میں بدل دیتی ہے۔ اسی نفرت اور عناد کا نتیجہ ہے کہ عنصر عنصر سے، نوع نوع سے اور جنس جنس سے متزاحم ومتصادم ہے اور ان میں باہمی کش مکش جاری ہے۔ یہ تصادم اس حد تک ہے کہ ایک ہی نوع کے افراد ایک دوسرے کو مرنے مارنے اور مٹنے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، انسان انسان کو اور حیوان حیوان کو فنا کے گھاٹ اتار رہا ہے، بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے اور قومیں مقابلے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں اور خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہیں۔

''اضداد کا تصادم'' بظاہر کچھ غیر حکیمانہ معلوم ہوتا ہے، مگر ترقی اور نمو اسی تصادم کے نتیجے میں ہوتی ہے، بلکہ ترقی نام ہی تصادم کا ہے۔ اسی سے مخفی جوہر کھلتے ہیں، پوشیدہ قوتیں آشکارا ہوتی ہیں اور نئی نئی اشیاء ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ قانون خدا کی ربوبیتِ عامہ اور رحمتِ تامہ کا مظہر ہے اور خلق خدا کے لئے حد درجہ نافع اور مفید ہے۔ جو چیز متحارب ومتصادم قوتوں سے نبرد آزما نہیں ہوتی اور جو چیز ناموافق حالات اور مخالف قوتوں سے برسرِ پیکار نہیں ہوتی، وہ رُک جاتی ہے اور آگے ترقی نہیں کرسکتی۔ دریا کی راہ میں اگر پتھریلی چٹانیں حائل نہ ہوں تو اس کی تیزی اور روانی سکون اور جمود میں تبدیل ہوجائے، چقماق کی شعلہ فشانی پتھر کی رگڑ کے بغیر ممکن نہیں، پانی کے اندر مخفی قوتیں ٹکراؤ کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتیں اور تاروں کو چھوئے بغیر آلے کے اندر خوابیدہ نغمے بیدار نہیں ہوتے۔ باہمی رقابت اور چشمک جس طرح مادی اشیاء میں ہوتی ہے، اسی طرح معنوی اشیاء میں بھی جاری رہتی ہے۔ معنویات کی باہمی کش مکش بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی مادیات کی ہے، وہ بھی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور نبرد آزما رہتی ہیں۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس کی نمود بھی ہوگئی تھی اور اسی روز سے حق اور باطل کی کش مکش اور خیر وشر کا تصادم جاری ہے اور تا صبح قیامت جاری رہے گا۔ مٹی اگر پانی کی لطافت کو اور پانی مٹی کی کثافت کو ختم کرنا چاہتا ہے تو نیکی بھی بدی کا اور بدی بھی نیکی کا وجود

مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔صاف خون اگر فاسد غذا کو قبول نہیں کرتا، صالح معاشرہ کو اگر برائی سے گھن آتی ہے اور نیک و پارسا لوگ اگر سرکشوں اور بدکاروں کو برداشت نہیں کرتے ہیں تو سرکشوں اور بدکاروں کے لئے بھی نیکوکاروں کا وجود ناقابل قبول ہوتا ہے۔روشنی سے انسان راہ یاب ہوتا ہے، ٹھوکروں سے بچتا ہے اور سانپ اور رسی میں فرق کرلیتا ہے، مگر یہی روشنی چوروں اور لٹیروں کے لئے باعث تکلیف ہوتی ہے اور ان کے مقاصد میں رکاوٹ بنتی ہے، اس لئے وہ روشنی کے چراغ گل کرتے ہیں۔انسان جب اس حد تک گراوٹ اور پستی کا شکار ہوجاتا ہے تو پھر اُسے نیکی سے گھٹن ہوتی ہے اور اچھے لوگوں کا وجود اُسے زہر معلوم ہوتا ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر قلب کا رخ اور سوچ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور انسان معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگتا ہے۔حدیث میں تو اس کا صاف تذکرہ ہے ہی، قرآن کریم میں بھی اس مضمون کی بے شمار آیتیں موجود ہیں۔

مادی اشیاء کے باہم ٹکراؤ میں جو چیز قوی اور طاقتور ہوتی ہے وہ برتر اور غالب رہتی ہے اور جو کمزور ہو اُسے شکست و ہزیمت اٹھانی پڑتی ہے، مگر حق و باطل کے نزاع اور خیر وشر کے تصادم میں فتح اور کامرانی حق کی ہوتی ہے۔ خالق کائنات صرف خیر اور حق کو باقی رکھتا ہے۔ اس نے یہاں ''بقائے انفع'' کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔جو بھی چیز، فرد یا جماعت نافع اور مفید ہوگی، وہ باقی رہے گی اور فتح و کامرانی اسی کا مقدر ہوگی۔

''فَأَمَّاالزَّبَدُفَيَذْهَبُ جُفَآءً وَأَمَّامَايَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِيْ الْأَرْضِ، كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ''. (الرعد:۱۷)

فتنہ تاتار سے زیادہ سخت اور کڑا وقت مسلمانوں پر کبھی نہیں آیا، انہوں نے مسلمانوں کو شکست دی، ان کی تلواروں کو کند، شہروں کو تباہ، بستیوں کو ملیا میٹ اور اموال کو برباد کیا اور ایسی تباہی مچائی کہ اسلام کے مستقبل سے ہی مایوسی ہوگئی تھی۔مسلمان مؤرخ جب اس کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا قلم رو پڑتا ہے، مگر تاتاری جلد ہی مغلوب ہوگئے، حالانکہ فاتح اور غالب بن کر داخل ہوئے تھے۔وجہ اس کی یہی تھی کہ وہ کوئی مفید اور نافع پیغام نہیں رکھتے تھے۔علماء کی جماعت سے زیادہ نافع، مفید اور کارآمد اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟ دنیا کی بقا اور آخرت کی کامیابی ان ہی کی بدولت ہے۔دنیا کی تخلیق خدا کی بندگی کے لئے ہے اور بندگی کے لئے علم کی ضرورت ہے اور علم کے لئے علماء کی ضرورت ہے۔نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا کو علماء کی ضرورت ہے۔اس تناظر میں عالم کی شہادت گویا دنیا کی طنابیں کھینچنے کی کوشش ہے اور اس کی بنیاد پر کاری ضرب ہے۔

۳۱ / جنوری ۲۰۱۳ء کی دوپہر عالم اسلام کی ممتاز دینی درسگاہ، خیر کے منبع، رحمت کے مہبط اور روحانی علوم کے سرچشمہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دوجید، تجربہ کار اور پختہ مفتیانِ کرام، دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کے مسئول حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اور استاد محترم مفتی صالح محمد کاروڑی اور ان کو لانے لے جانے کی خدمت پر مامور طالبعلم حسان علی شاہ کو برسرعام لہو میں نہلا دیا گیا۔إناللّٰه وإناإليه راجعون۔

جامعہ کے ساتھ اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، شہادتوں کا اِک تسلسل اور خونِ شہداء کا ایک سیل

رواں ہے جو جامعہ کے وجود سے بلا انقطاع جاری ہے۔ جامعہ کے علاوہ پورے ملک کو بالعموم اور کراچی کو بالخصوص دہشت گردی نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، جس میں کمی کی بجائے زیادتی اور تخفیف کے بجائے دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ عرب کے وحشی اپنی جنگجویانہ فطرت اور لڑاکو طبیعت کے باعث بجا طور پر بدنام ہیں۔ وہ خون ریزی، قتل وقتال اور جنگ وجدال میں ایک پیشے اور مشغلے کے طور پر مصروف رہتے تھے، مگر ایسا صرف سال کے دو تہائی حصے میں ہوتا تھا، ایک تہائی یعنی چار مہینے ان کی تلواریں نیام میں رہتی تھیں اور قتل وغارتگری کا بازار ٹھنڈا رہتا تھا۔ یہ آج کے تہذیب یافتہ لوگوں کا کمال ہے کہ سال کے کسی مہینے، مہینے کے کسی ہفتے، ہفتے کے کسی دن اور دن کے کسی گھنٹے درندگی اور سفاکی سے باز نہیں آتے۔ نہ کوئی موسم دیکھتے ہیں، نہ کوئی مقدس دن، نہ کوئی قومی یا مذہبی تہوار۔ خوف اور دہشت کا، ظلم اور بربریت کا بازار گرم ہے۔ بوری بند لاشیں، چھلنی سینے، اعضاء کٹے جسم، ہوا میں بارود کی بو اور فضا میں دھویں کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ خون گرتا ہے اور بہہ جاتا ہے، سر کٹتا ہے اور فرش کے برابر ہو جاتا ہے، لاشوں کے ڈھیر لگتے ہیں اور زمین میں دفن ہو جاتے ہیں، مگر کوئی ان ظالموں کے ہاتھ روکنے، دستانے اتارنے اور چہروں سے نقاب ہٹانے والا نہیں ہے۔ جنگل میں درندے امن سے ہیں، مگر آبادی میں انسان بدامنی کا شکار ہیں۔ امن منہ چھپائے پھر رہا ہے، نیکی نوحہ کناں ہے، خیر کی کسمپرسی قابل دید ہے۔ خدا کی وسیع سرزمین اس کے بندوں پر تنگ کر دی گئی ہے اور انسان سے وہ اعزاز واکرام چھین لیا گیا ہے جو خدائے تعالیٰ نے ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ'' کہہ کر اُسے عطا کیا ہے۔ زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ خون کے قطرے اور لہو کے دھارے بھی ذمہ داروں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام ہیں، حالانکہ نہ مرض کی تشخیص کے لئے کسی افلاطونی ذہن کی ضرورت ہے، نہ اسباب ووجوہات کا پتہ چلانا ان کے لئے کوئی مشکل ہے اور نہ ہی نسخے کی تجویز ان کی طاقت اور امکان سے باہر ہے۔ موت اٹل حقیقت ہے اور کسی ذی نفس کو اس سے مفر نہیں۔ اس لحاظ سے وہ کوئی زیادہ قابل افسوس چیز نہیں ہے، لیکن اگر اس کا شکار ایسا فرد ہو جو بے پناہ خوبیوں کا مالک ہو، قحط الرجال کے دور میں لاکھوں کروڑوں میں سے ایک ہو تو اس کا جانا یقیناً قیامت ہے۔ افسوس اس وجہ سے بھی ہے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور جو کام انبیاء کا ہے وہی علماء کا ہے۔ تاریخ میں ایسے شقی القلب گزرے ہیں، جنہوں نے انبیاء کو اہل خانہ سمیت دربدر کیا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا یہ تو ''یہود کی خصلت'' رہی ہے، قرآن نے ان پر انبیاء کے قتلِ ناحق کی دفعہ لگائی ہے ''وَیَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقٍّ''۔ اللہ نہ کرے کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے یہ فعلِ بد انجام پایا ہو، اگر ایسا ہے تو پستی کی جس حد تک ہم پہنچ چکے ہیں، اس پر خون کے آنسو بھی کم ہیں۔

حضرت الاستاذ حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ولادت ۱۵/جون ۱۹۵۱ء کو خان پور کے قریب دین پور نامی بستی میں ہوئی، یہ وہی قصبہ ہے جو تحریکِ آزادی کے حوالے سے بہت مشہور رہا ہے، جس وقت کہ یہ قصبہ ''تحریک ریشمی رومال'' کا مرکز تھا اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کا خاص اور مرکزی کردار تھے۔ حضرت مفتی صاحب شہیدؒ ددھیال کی طرف سے آرائیں ذات کے تھے، جو محمد بن قاسم کے ساتھ حجاز سے ہجرت کرکے یہاں آئے تھے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے اور نہایت متقی، پرہیزگار اور شب بیدار عالم تھے۔ ننھیال کی طرف سے

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پڑنواسے تھے۔ حضرت خلیفہؒ اصلاً ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے، مگر اپنے مرشد حضرت حافظ محمد صدیقؒ کے حکم پر ایک صحرا (دین پور) میں قیام پذیر ہوئے اور جلد ہی خلق خدا کا دیوانہ وار رجوع ہونے لگا۔ موجودہ دین پور آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے اور اس نسبت سے بانی دین پور بھی کہلاتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا ریشمی خط آپ کے پاس بھی آیا تھا اور تحریک کے دوران بڑی مقدار میں آلاتِ حرب وضرب یہاں جمع کئے گئے تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے اکابر نے آپؒ سے کسب فیض کیا۔ جلیل القدر اور عالی مرتبت اشخاص نے آپؒ کے حق میں بہت بلند تعریفی کلمات کہے ہیں، جن سے آپؒ کے مقام رفیع کا اندازہ ہوتا ہے:

''حضرت دین پوری کی صحبت اور نشست و برخاست میں طالب کو جو کچھ ملتا ہے، وہ دوسرے بزرگوں کے ہاں ورد، اور اوراد سے بھی نہیں ملتا''۔ (حضرت شیخ الہندؒ)

''حضرت دین پوری کی ولایت مسلم ہے''۔ (حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

''حضرت دین پوری کے چہرے پر صرف نظر ڈالنے سے کئی مقامات طے ہو جاتے ہیں''۔ (حضرت کشمیریؒ)۔

حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے پیر بھائی مولانا عبدالقادر سے کیا، جس سے ایک فرزند مولانا عبدالمنانؒ تولد ہوئے، جو کہ حضرت شہیدِ راہِ حق کے نانا تھے اور مفتی صاحب شہیدؒ کی تعلیم وتربیت ان ہی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ مولانا عبدالمنانؒ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں اور آپ اپنے خاندان کے ولی اور سرپرست تھے اور جملہ امور آپ کو تفویض تھے۔ اس خاندانی سربراہی کی بدولت آپ نے اپنے نواسے یعنی حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کا اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کردیا۔ نکاح کی محفل اس لحاظ سے دلچسپ تھی کہ اصلاً حضرت مفتی صاحب کے نکاح کے لئے منعقد ہی نہیں کی گئی تھی، کسی اور صاحب کی مجلس نکاح تھی۔ حضرت مفتی صاحب بھی حاضر مجلس تھے۔ ان صاحب کے نکاح کے بعد نانا جان مولانا عبدالمنان کی نگاہ اپنے نواسے حضرت مفتی صاحب پر پڑی اور نکاح خواں سے فرمایا کہ ان کا نکاح بھی پڑھادو۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے دیگر آٹھ بھائی تھے (جن میں سے ایک کا حضرت سے پہلے انتقال ہوگیا تھا) اور دو بہنیں حیات ہیں۔ خود حضرت مفتی صاحب نے ایک بیوہ اور چار بیٹے اور دو بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی رسم بسم اللہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے کروائی تھی اور اس موقع پر آپ کے نانا نے موتی چور کے لڈو تقسیم کئے تھے۔ (حضرت شہیدؒ موتی چور کی وضاحت بھی کراکرتے تھے)۔ ابتدائی تعلیم آپ نے دین پور کے قرب ونواح میں مولانا عبیداللہ درخواستیؒ سے حاصل کی، مولانا عبیداللہؒ پہلے لیاقت پور، پھر سہجا اور پھر تاج گڑھ تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ سادسہ کے لئے آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ تشریف لائے اور یہاں کی قدآور علمی شخصیات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ ۱۹۷۱ھ میں امتیازی درجات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔ جامعہ کے ریکارڈ کے مطابق

آپؒ کا رول نمبر ۱۳۲، رجسٹریشن نمبر ۶۸۷ ہے۔ ۲۸ محرم ۱۳۹۳ھ کو آپؒ کو سند فراغت کی حوالگی ہوئی۔ فراغت کے بعد جامعہ میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے زیرِ نگرانی تخصص فی الفقہ کیا اور ساتھ ہی کراچی یونیورسٹی سے بی اے بھی مکمل کیا۔ حضرت شہیدؒ خود بیان کیا کرتے تھے کہ مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی طرف سے مجھے اُن کے درس ہدایہ میں بیٹھنے کی تلقین تھی۔ حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کے حکم پر احقر بھی ان کے درس ہدایہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک ظاہری سی مشابہت ہے، کیا بعید کہ حق تعالیٰ شانہ ان دونوں بزرگوں کے طفیل حقیقت بھی نصیب فرما دیں۔ **وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز** ۔ اس کے بعد دار العلوم حسینیہ شہداد پور میں بحیثیت مدرس تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ قاری عبد الرشید اور مفتی عبد المنان صاحب آپ کے معروف شاگرد ہیں، جنہوں نے آپ سے حماسہ پڑھی ہے۔ والد صاحب کے وصال کے بعد آپ خان پور تشریف لے گئے اور مدنی مسجد چوک رازی خان پور میں امامت وخطابت کی خدمت انجام دینے لگے۔ یہ وہی مسجد ہے جس کی بنیاد آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ نے رکھی تھی۔ ساتھ ہی پرانے تبلیغی مرکز میں تدریس شروع کی اور مسجد کے متصل رفاہِ عام کے نام سے مطب قائم کیا۔

علمِ طب کی بدولت آپ امراض، اُن کے طریقۂ علاج، ادویہ اور ان کے خواص واثرات سے آگاہی رکھتے تھے اور اس موضوع کے متعلق سوالات کا بصیرت کے ساتھ جواب دیتے تھے۔ ابھی کچھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک شئے کی ترکیب کے متعلق ہمارے ہاں ایک تحریری سوال جمع ہوا۔ سوال ایک ادارے کی طرف سے تھا اور مہارت سے تیار کیا گیا تھا اور اس پر ایک کیمیا داں کے تصدیقی دستخط بھی ثبت تھے۔ احقر نے سوال کی بنیاد پر جواب لکھا، مگر حضرت نے سوال اور جواب دونوں مسترد کر دیئے، جب مزید تحقیق کی گئی تو حضرت کا اعتراض درست تھا اور سائل اور مجیب دونوں سے چوک ہوئی تھی۔ علم طب کے علاوہ آپ ایک اور فن اس حد تک جانتے تھے کہ اُسے باقاعدہ ذریعہ معاش بنا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''الذین أحصروا فی سبیل اللّٰہ'' کی فضیلت بھی نوازنا تھا، اس لئے آپ ان دونوں فنون سے مجتنب رہے۔

تبلیغی مرکز کے بعد آپ دین پور شریف میں تدریس کے شعبے سے منسلک ہوگئے، بعد ازاں ۱۹۸۸ء سے ۹۵ء تک جامعہ اشرفیہ سکھر سے وابستہ رہے۔ اور وہاں ہدایہ ثالث، اور ترمذی وغیرہ آپ کے زیرِ تدریس رہیں، ایک سال بخاری ثانی بھی پڑھائی اور ختم بخاری شریف کیا۔ تین سال وہاں ایک قریبی مسجد میں امام وخطیب بھی رہے تھے۔ سکھر کے قیام کے دوران جب آپ کسی نجی غرض اور ذاتی حاجت کے سلسلے میں کراچی تشریف لائے تو حضرت شہیدؒ کے بہ قول یہاں ایک مدرسے میں آپ کو بڑے درجات کی کتب اور معقول مشاہرے کی پیش کش ہوئی، اگرچہ آپ کی طبیعت اب کراچی کو مستقل جائے قیام بنانے کی تھی، مگر صاحب نظر اور بصیرت قلبی کے حامل بزرگ، فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ سے مشاورت کے بعد انکار فرما دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ جن کو گوہر نایاب کی پہچان اور اُنہیں لڑی میں پرونے کا ملکہ اور سلیقہ تھا، وہ حسنِ تدبیر اور حسنِ انتظام سے آپ کو جامعہ لے آئے اور ۱۹۹۶ء میں بحیثیت مدرسِ کتب اور نائب رئیس دار الافتاء آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ دار الافتاء کے رئیس حضرت مولانا مفتی عبد السلام صاحب چاٹگامی مدظلہٗ نے بھی اس سلسلے میں بھرپور معاونت

کی تھی۔ (حضرت مفتی صاحب شہیدؒ اس پوری روئیداد کو اپنی تمام جزئی تفصیلات سمیت سنایا کرتے تھے)

طریق عشق میں گو کارواں پہ کارواں بدلا
نہ ہم نے راستہ بدلا نہ میر کارواں بدلا

عنایاتِ الٰہی عام طور پر اسباب سے متعلق ہو کر ظاہر ہوتی ہیں۔ حضرت الاستاذ کا معاملہ بھی کچھ اس قسم کا تھا۔ اچھے شہسوار کو سبک رفتار سواری اور مضبوط بازو کو تیز دھار تلوار میسر آجائے تو پھر رفتار اور کاٹ دو چند سہ چند ہو جاتی ہے۔ جامعہ میں نہ صرف مفتی صاحب کے مخفی جوہر کھلے، بلکہ انہوں نے ایسا جوش مارا کہ ایک عالم کو سیراب کر دیا۔ جامعہ میں تدریس اور افتاء کے ساتھ آپ الحمراء مسجد جمشید روڈ میں پنجگانہ نمازوں کے امام اور جامعہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ شہادت کے روز آپ اپنے رفقاء سمیت جامعہ درویشیہ ہی تشریف لے جا رہے تھے۔ مدرسہ معہد الخلیل بہادر آباد میں مغرب کے بعد تشریف لے جاتے اور آمدہ سوالات کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ کی شہادت کے بعد ترمذی ثانی اور تخصص میں مقدمہ شامی وغیرہ کا درس آپ کے سپرد تھا، اس سے قبل آپ ہدایہ ثالث پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کا درس نہایت سنجیدہ اور متین ہوا کرتا تھا۔ درس کے لئے تشریف لے جانے سے قبل صاحبِ کتاب کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرتے اور درس میں شستہ، شگفتہ اور شائستہ زبان استعمال فرمایا کرتے تھے۔ پانی کے بہاؤ کی طرح زبان سے الفاظ نکلا کرتے تھے اور کبھی اس میں خطابت کا آہنگ اور تقریر کا جلال پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ آواز بلند، بیان تسلسل سے مزین اور لغزش ولکنت سے پاک ہوا کرتا تھا۔ عام فہم اور سادہ الفاظ میں پہلے عبارت کا مطلب بیان کرنے کے بعد جب اس کا ترجمہ اور حل طلب نکات کی تشریح کرتے تو معمولی استعداد کے طلبا بھی سمجھ جایا کرتے تھے۔ علمی لطائف اور سلف صالحین کے واقعات موقع ومحل کی مناسبت سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ تجزیہ وتحلیل اور تجربہ وتمثیل سے درس کی رونق اور بڑھ جایا کرتی تھی۔ وہ خصوصیت جس کی وجہ سے آپ کا درس ایک امتیازی شان رکھتا تھا وہ قدیم اجتہادات کی روشنی میں جدید عصری مسائل کا حل پیش کرنا ہے۔ درس میں جب کوئی ایسا مقام آتا جس کا کسی نو پید مسئلے سے تعلق ہوتا تو وہاں بسط وتفصیل سے کام لیتے۔ کسی عبارت کے تحت کن مسائل پر گفتگو کرنی ہے اور کس قدر کرنی ہے؟ کہنہ مشقی کی بدولت یہ فیصلہ آپ کے لئے مشکل نہیں تھا۔ کوئی عبارت جس سے موجودہ علماء کسی مسئلے کے جواز یا عدم جواز پر استدلال کرتے ہوں، اس کی وضاحت فرماتے۔ تفہیم کے لئے بجائے قدیم تمثیلات کے جدید تمثیلات پیش فرمایا کرتے تھے۔

تقریر اور خطابت کے معاملے میں برملا کسر نفسی اور عجز وانکساری کا اظہار فرمایا کرتے تھے، مگر جب منبر کو رونق بخشتے تو الفاظ کانوں کے راستے دل پر دستک دیتے تھے۔ تقریر اگر اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا عمدہ اور احسن اظہار ہے اور سامعین کو کسی مقصد پر آمادہ کرنا اور یہ کوشش کرنا کہ وہ بھی وہی محسوس کرنے لگیں جو مقرر محسوس کرانا چاہتا ہے تو حضرت کی تقریر مذکورہ اوصاف کی حامل اور ان خصوصیات سے مزین ہوا کرتی تھی۔ طوفانی لہجہ، طغیانی اسلوب، گن گرج، جھنکار وللکار، الفاظ کی بھر مار اور فقروں کی یلغار نہ تقریر کا حصہ ہیں اور نہ ہی حضرت اُسے پسند فرمایا کرتے تھے۔ البتہ جب شکار نشانے پر آجائے، لوہا گرم

ہو جائے اور کھیتی پک جائے تو پھر تاخیر کا مطلب محنت کا ضیاع ہوتا ہے۔ سمجھ دار اور عوام کی نفسیات سے واقف مقرر ایسے موقع پر الفاظ کے زیر و بم اور لہجے کے اتار چڑھاؤ سے لوگوں کے جذبات وصول کر لینا چاہتا ہے۔ حضرت شہیدؒ کا لہجہ بھی ایسے مواقع پر بلند ہو جایا کرتا تھا، گویا گرم لوہے پر پے در پے ضربیں لگا رہے ہیں۔

اصلاحی تعلق اسی مشہور و معروف، روحانی، علمی، تاریخی اور انقلابی خانقاہ دین شریف سے تھا۔ ہالیجی شریف سے بھی ربط و تعلق رکھتے تھے اور گاہے گاہے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں وضو پر مواظبت فرمایا کرتے تھے۔ دوران سفر راستے میں کبھی ایسا ہوتا کہ وضو کے لئے مناسب جگہ دستیاب نہیں ہوتی تھی، مگر حضرت گھٹنوں کی تکلیف کی شدت کے باوجود معمول پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ''الأجر بقدر التعب والمشقة'' کے قاعدے سے یقیناً یہ وضو زیادہ اجر و ثواب اور فضیلت رکھتا تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ دن بھر کے تھکا دینے والے سفر کے بعد نصف شب کے قریب آرام کا موقع ملا، مگر جب صبح فجر کے لئے آنکھ کھلی تو حضرت شہیدؒ کو مراقب پایا، جس کا مطلب تھا کہ حضرت تہجد، ذکر اور دعا وظائف سے فارغ ہو چکے ہیں۔ سفر میں فجر سے گھنٹہ بھر قبل بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

آپ کا اصل میدان فقہ اور فتاویٰ کا میدان تھا۔ بلا مبالغہ آپ ملک کے صف اوّل کے مفتیان کرام میں سے تھے۔ احقر کے خیال میں آپ کی خاص خصوصیت محض مطالعہ کی کثرت اور جزئیات پر دسترس وغیرہ نہیں، بلکہ فقہی ملکہ اور خداداد ذہانت تھی۔ اس کے ساتھ آپ پختہ استعداد کے مالک، نہایت زیرک، سخن فہم اور گہری نگاہ کے مالک تھے۔ کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ کسی چیز کو محض اپنے ذوق سے آپ نے مسترد کیا اور بعد میں تلاش بسیار کے بعد اسی کے موافق نص مل گئی۔ دنیوی گورکھ دھندوں سے آپ منقطع تھے اور ''الذين أحصروا في سبيل الله'' کے کامل مصداق اور اتم نمونہ تھے، مگر اس کے باوجود سیاسی قوانین، معاشی نظریات، رسم و رواج، عرف و عادات اور ملکی حالات سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے۔ مسجد اور مدرسہ میں زندگی بسر کرنے کے باوجود لوگوں کی عادات اور ان کے محاورات پر آپ کی گرفت مضبوط تھی، طلاق اور ایمان کے مسائل میں اس کا خوب اندازہ ہوا کرتا تھا۔ کام کا جتنا دباؤ دارالافتاء بنوری ٹاؤن میں ہے، شاید ہی کسی اور جگہ ہو، مگر افرادی قلت کے باوجود اُسے بہ سہولت پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ۱۹۹۸ء سے اب تک فتاویٰ کی آخری تصحیح آپ فرمایا کرتے تھے۔ ہر سال تقریباً دس ہزار فتاویٰ دارالافتاء سے جاری ہوتے ہیں، اس لحاظ سے آپ کے فتاویٰ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ بنتی ہے۔ جو فتاوی اس سے قبل کے زمانے کے ہیں اور جو دیگر مدارس سے جاری کئے اور جن کی تصدیق فرمائی، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، مگر ان میں شاید و باید ہی کوئی ایسا فتویٰ ہوگا جو اکابر کے مزاج کے خلاف اور جمہور کے مسلک سے کٹ کر ہو۔ رحمه الله وارضاه۔

پچھلے کچھ عرصے سے ایک خاص قسم کا تغیر طبیعت میں پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ جب یہ کیفیت طاری ہوتی یا تنہائی میں اس کی طرف دھیان جاتا تھا تو ذہن سورۂ نصر کی طرف چلا جایا کرتا تھا اور طبیعت فراق کے خیال سے پریشان ہو جایا کرتی تھی۔ اب حضرت شہیدؒ ایک ایک لمحے کو ذکر

الٰہی سے آباد کرنے لگے تھے، یہاں تک کہ سوال و جواب پڑھتے وقت تو ہونٹ ساکت رہتے تھے، مگر جونہی دستخط فرمانے لگتے، لب حرکت کرنے لگ جاتے، ہونٹوں کو جنبش شروع ہو جاتی، حالانکہ سوالات کی کثرت کی وجہ سے نام کی مہر بنوانی پڑ گئی تھی، جس کے ثبت کرنے میں ایک دو سیکنڈ لگتے تھے، مگر حضرت اس کو بھی مزید پرنور بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک تبدیلی یہ آئی تھی کہ فوری طور پر رقت قلبی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ محسن انسانیت، سید الکونین، سرکار دو عالم ﷺ کے نام نامی اور اسم گرامی پر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے تذکرے پر طبیعت میں ایک جوش سا پیدا ہو جایا کرتا تھا اور موضوع سخن چھوڑ کر ان کا کوئی واقعہ یا منقبت یا ان کی بلند پایہ شخصیت کے متعلق کوئی جملہ ارشاد فرمالیا کرتے تھے۔

جو عالم دین کوئی دینی مشغلہ رکھتا ہو مثلاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف یا وعظ و نصیحت کرتا ہو اور اسی حالت میں وفات پا جائے تو اس کی موت حکمی شہادت کی موت ہے اور جو ناحق آلۂ جارحہ سے مارا جائے اور وہ کوئی دنیوی آسائش بھی نہ اٹھائے تو اس کی موت حقیقی شہادت کی موت ہے۔ حضرت الاستاذ، مشفق و مربی کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں معنوں کے لحاظ سے شہادت نصیب فرمائی ہے۔ شہادت کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گہری نیند میں ہیں اور اپنے مقام بلند کو دیکھ کر تبسم فرما رہے ہیں۔

جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب حفظہ اللہ ورعاہ نے شہداء کا جنازہ پڑھایا، لگتا تھا کہ تکبیرات کے ساتھ جگر کے ٹکڑے نکل کر باہر نہ آجائیں، مگر خدا تعالیٰ جب کوئی ذمہ داری ڈالتا ہے تو اس کے لئے درکار صفات سے بھی نواز دیتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب استقامت نہ دکھاتے تو کس کا دل گردہ تھا کہ وہ صبر کر جاتا۔ جنازے سے قبل حضرت ڈاکٹر صاحب نے جو کلمات ارشاد فرمائے، وہ مختصر مگر جامع، سادہ مگر مدلل، صدمات سے چُور روح کے ترجمان اور روحِ شریعت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس وقت یہ حقیقت کھلی کہ ''الاستقامة فوق الكرامة''۔ جنازے میں بہت قلیل وقت میں بہت بڑا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے موقع پر چند آدمیوں نے مل کر ملکوں کے ملک راکھ اور خاک کر دیئے، ایک غیر محتاط جملے سے یہ لوگ کچھ کرنے اور دکھانے، مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، مگر ایمان اور دینی تربیت نے اُنہیں روک دیا۔ جامعہ کے اکابر نے نہ صرف خود صبر کیا، بلکہ صبر کی فضا بنادی، جس یہ تمام مجمع انتہائی پرامن طور منتشر ہو گیا۔ نہ کوئی نعرہ لگا، نہ کوئی شیشہ ٹوٹا اور نہ کسی کو بے جا تکلیف ہوئی، ورنہ دینی تربیت سے عاری لوگ ایسے مواقع پر کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ جنازے کے بعد حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کو ان کے آبائی شہر خان پور لے جایا گیا اور مدینۃ الاولیاء، مقبرۃ المشائخ دین پور میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہ وہی مقبرہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ جیسے بڑے بڑے اولیاء اور مشائخ مدفون ہیں۔ مرقد میں رکھنے کے بعد جب چہرے سے ذرا کفن سر کا تو چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا اور ماہتاب کی مانند پُرنور تھا۔ **أللّٰهم لاتحرمنا أجره ولاتفتنا بعده.**

# حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہ کو صدمہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، ہر دل عزیز شخصیت حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم کے دو بھتیجے، دو پھوپھی زاد بہنوں کے بیٹے اور ایک ڈرائیور ۱۷؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بالاکوٹ سے سولہ کلومیٹر دور کیوائی کے مقام پر ایک کار کے کھائی میں گرنے سے جاں بحق ہوگئے۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہ ماأعطیٰ وکل شيء عندہٗ بأجل مسمیٰ**۔

ان جاں بحق ہونے والوں میں ایک محمد سلیم بن فضل رحیم تھا، جس کی عمر ۲۶؍سال تھی۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، اس نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں، ایک بیٹا اور والدین کو سوگوار چھوڑا ہے۔ دوسرے بھتیجے کا نام نصیر احمد بن نور محمد ہے، عمر ۲۳؍سال ہے، جس نے سوگواروں میں ۳؍بھائی، ۶؍بہنیں، ایک بچی اور والدہ کو چھوڑا ہے۔

پھوپھی زاد بہنوں کے بیٹوں کے نام ضیاء الرحمٰن بن غلام اکبر اور دوسرے کا نام عبدالکریم بن عمران تھا۔ یہ دونوں بھی ۲۳؍سال کے تھے۔ دو کی تدفین قلندر آباد میں اور دو کی مانسہرہ میں عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اور آپ کے اعزہ واقربا کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ان مرحومین کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔

اسی طرح جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب دامت برکاتہم کے بھائی، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، استاذِ حدیث، جامع مسجد حاجی میاں خان کاکڑ کالونی سیٹلائٹ ٹاؤن کوئٹہ کے امام وخطیب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو ۱۰؍ربیع الاول مطابق ۲۳؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ، عصر کی نماز پڑھا کر مسجد سے گھر جاتے ہوئے گھر کے قریب دو موٹر سائیکل سوار دہشت گردوں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہ ماأعطیٰ وکل شيء عندہٗ بأجل مسمیٰ**۔ ان شاء اللہ! حضرت شہیدؒ کے تفصیلی حالات حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب کے قلم سے اگلے شمارہ میں شامل اشاعت کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، آپ کے بچوں کی کفایت فرمائیں اور حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب دامت برکاتہم اور آپ کے عزیز واقارب کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ قارئین بینات سے ان تمام شہداء اور دنیا سے رخصت ہونے والوں کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

# گٹر کے فلٹر شدہ (صاف کئے گئے) پانی کا حکم!

مولوی محمد اسحاق قریشی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

ا:......گندے گٹر کا پانی فلٹر اور مشینوں سے صاف کر کے جو قابل استعمال بنایا جاتا ہے اور لوگ اس کو طہارت کے لئے استعمال کرتے ہیں تو آیا اس طرح نجس گٹر وغیرہ کا پانی مشینوں کے ذریعے سے صاف کرنے سے پاک ہوجاتا ہے؟ آیا صاف کرنے سے نجس کی حقیقت وماہیت بدل جاتی ہے؟ یہ پانی طہارت کے قابل ہے یانہیں؟ اس طرح کا پانی شرعاً پینا جائز ہے یانہیں؟۔

۲:......وہ ممالک جہاں پر زمین سے پانی نکالنے پر پابندی ہے اور دوسرا کوئی ذریعہ بھی نہیں تو کیا وہاں کے مسلمانوں کے لئے گٹر کا فلٹر شدہ پانی استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟

**وضاحت**: یاد رہے اس میں گٹر کا بول وبراز شامل ہوتا ہے، شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: عبدالمجید، امام جامع مسجد ''اکابرین اسلام''

## الجواب باسمہٖ تعالیٰ

ا:......گٹر کے ناپاک پانی کو مشینوں کے ذریعہ صاف کر کے نجس پانی کی حقیقت وماہیت میں شرعاً ایسی قابل اعتبار تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، جس کی بنیاد پر گٹر کے فلٹر شدہ پانی کو پاک کہا جاسکے اور اسے طہارت کی غرض سے یا کھانے پینے کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ اس لئے کہ فلٹر شدہ پانی کی حقیقت صرف اتنی ہوتی ہے کہ فلٹر مشین کے ذریعہ ناپاک پانی کے بعض اجزاء الگ کر لئے جاتے ہیں، یہ بالکل ایسا ہے جیسا پھلوں یا پھولوں سے ان کا عرق الگ کر لینا اور اسے مطلوبہ مقاصد کے لئے

استعمال کرنا۔ چنانچہ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''ثم اعلم أن العلة عند محمدؒ هی التغیر وانقلاب الحقیقة...... إن الدبس لیس فیه انقلاب حقیقة، لأنه عصیر جمد بالطبخ، وکذا السمسم إذا درس واختلط دهنه بأجزائه ففیه تغیر وصف فقط، کلبن صار جبنا وبر صار طحینا وطحین صار خبزاً''۔ (فتاویٰ شامی، ۱/۳۱۶، ط:سعید)

''شرح مختصر الطحاوی'' میں ہے:

''والدلیل علی تحریم استعمال الماء الذی فیه جزء من النجاسة وإن لم یتغیر طعمه أو لونه أو رائحته، قول الله تعالیٰ "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" والنجاسات من الخبائث لأنها محرمة''۔ (شرح مختصر الطحاوی، ۱/۱۷، ط: رحمانیہ)

''مراقی الفلاح'' میں ہے:

''المستقطر من النجاسة نجس''۔ (مراقی الفلاح، ص:۸۹)

''البحر الرائق'' میں ہے:

''وذکر أبو الحسن الکرخیؒ أن کل من خالطه النجس لایجوز الوضوء به ولو کان جاریا، هو الصحیح''۔ (البحر الرائق، ۱/۸۳، ط:سعید)

''نظام الفتاویٰ'' میں ہے:

''پیشاب فلٹر کرنے سے پاک نہیں ہوسکتا۔ کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے، وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں اور پیشاب بجمیع اجزاء نجس العین اور نجاست بنجاست غلیظہ ہے، اس لئے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس بنجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی یہ تجزیہ وتخرجہ ہوا، نہ کہ قلب ماہیت''۔

(نظام الفتاویٰ، ۱/۱۶، ماخوذ از ''احکام شرعیہ میں تبدیلی حقیقت کے اثرات'' ص:۴۱۳، ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)

''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں ہے:

''سوال: آج کل سائنس دانوں نے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ گندی نالیوں کے پانی کو صاف شفاف بنا دیتے ہیں، اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ اب کیا یہ پانی پلید ہوگا یا نہیں؟

جواب: صاف ہوجائے گا، پاک نہیں ہوگا۔صاف اور پاک میں بڑا فرق ہے۔

(آپ کے مسائل اور اُن کا حل،۳/۱۰۰، ط: مکتبہ لدھیانوی)''

الغرض گٹر کے فلٹر شدہ پانی کو طہارت کے حصول اور خورد ونوش کے طور پر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ پانی صاف ضرور ہوا ہے، پاک نہیں ہوا۔

۲:......غیرمسلم ممالک میں جہاں زمین سے پانی نکالنے پر پابندی ہے اور وہاں گٹر اور گندے نالوں کے پانی کو فلٹر کرکے قابل استعمال بنایا جاتا ہے، وہاں رہنے والے مسلمانوں کے لئے بھی گٹر سے فلٹر شدہ پانی پینا اور طہارت کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

''اَلْفِقْهُ الْإِسْلَامِيُّ وَأَدِلَّتُهُ'' میں ہے:

**''والمتنجس عند أكثر الفقهاء لاينتفع به ولايستعمل فی طهارة ولا فی غيرها إلا فی نحو سقی بهيمة أو زرع أو فی حالة الضرورة كعطش''.**

(کتاب الطہارۃ،۱/۲۷۹،ط:رشیدیہ)

''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ہے:

**''يجوز للمسافر التيمم إذا لم يم يكن معه ماء وكذلك إذا كان معه وهو يخالف العطش على نفسه أو دابته لأنه عاجز عن استعمال الماء حكماً لكونه مستحقا لحاجته الأصلية وفی الكافی وكذلك الماء نجساً''.** (کتاب الطہارۃ،التیمم،۱/۲۴۲،ط:ادارۃ القرآن)

فقط واللہ اعلم

| الجواب صحیح | الجواب صحیح | کتبہ |
|---|---|---|
| محمد عبدالمجید دین پوری | محمد عبدالقادر | محمد اسحاق قریشی |
| | | متخصصِ فقہِ اسلامی |

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

# نقد و نظر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

## روضۃ الفتاویٰ (جلد دوم)

حضرت مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب۔ مترجم: مولانا محمد حسن بن ابراہیم۔ صفحات: ۴۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم بابوگلی، راندیر، سورت، انڈیا ۳۹۵۰۰۵۔ فون: ۰۹۸۷۹۷۶۷۰۷۴۳

مفتی اسماعیل صاحبؒ واڈی والا سابق صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر گجرات کی مشہور شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ آپؒ کے فتاویٰ مدلل اور سہل انداز ہونے کی بنا پر عوام الناس میں بے حد مقبول گردانے جاتے تھے۔ ان فتاویٰ میں سے کچھ فتاویٰ تین جلدوں میں مرتب ہوکر گجراتی زبان میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر لائے گئے، پھر اردو میں ان کا ترجمہ کر کے انہیں روضۃ الفتاویٰ کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔ زیرِ تبصرہ اس فتاویٰ کی دوسری جلد ہے، جس میں نماز کے طریقہ کے بیان سے لے کر بیمار کی نماز کا بیان تک ۷۶۵ مسائل کو ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتب، مترجم اور ناشر کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

## سُنَّت کہانی

مؤلف: محمد فہیم عالم۔ تصحیح و ترتیب: عبدالعزیز، محمد رضوان صدیقی۔ صفحات: ۱۶۰۔ قیمت درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ ذوق وشوق، گلشن اقبال کراچی، بشکریہ مکتبہ بیت العلم فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔

ماہنامہ ''ذوق وشوق'' کی انتظامیہ نے بچوں کو سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے اُن کے مزاج اور ذوق کے مطابق سُنّت کے تذکرے پر مشتمل مختلف کہانیاں شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہے، زیرِ تبصرہ ''سُنّت کہانی'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جسے محمد فہیم عالم صاحب نے تیار کیا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ماں اور اُس کے تین بچے ہیں، چنانچہ اس کہانی کے اندر ماں اپنے بچوں کو مختلف مواقع کی سنّتیں بتلاتی رہتی ہے، جس سے بچوں میں سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہانی عام فہم، دلچسپ ہے۔ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لئے بھی مفید اور قابل مطالعہ ہے۔ مائیں اگر بچوں کے سامنے کہانی کا کچھ حصہ روز پڑھ کر سنائیں تو ان شاء اللہ! بہت فائدہ ہوگا۔